مئی 2015؛ قیمت 10 ₹

ماہنامہ
# بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

'بچّوں کی دنیا' کے دو سال

# قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ
# اردو دُنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھئے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی
# فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھئے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

# بچوں کی دنیا

جلد:3 شمارہ:5 مئی 2015

## اس شمارے میں


| | | | |
|---|---|---|---|
| مدیر کا خط | آپس کی باتیں | مدیر | 4 |
| یومِ ولادت حضرت علی | فرمایا حضرت علی نے | ادارہ | 5 |
| بدھ پورنیما | مہاتما بدھ کی باتیں... | ادارہ | 6 |
| کہانیاں | کہانی میں کہانی | بشریٰ ارشد | 7 |
| | فضول خرچی | ایم رحمان | 11 |
| | 'معصوم' لومڑی | خوشنودہ نیلوفر | 13 |
| غیر ملکی کہانی | میاں سیغاں کی بکری | الفونسے دودے | 15 |
| سائنس کی الف لیلہ | نئی دنیا میں بارود کیسے بنا؟ | ترجمہ: انیس الدین ملک | 19 |
| نظم | گرمی آئی گرمی آئی... | فضل اللہ رومی | 24 |
| دنیا کی بڑی شخصیت | سب سے بڑا فلم ایکٹر | منی بھوشن کمار | 25 |
| کامکس کہانی | بڑے دل والا بھولا | ادارہ | 31 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| نانی کا صندوق | نظم: گزرا زمانہ بچپن کا | آنند بخشی | 38 |
| اردو ایس ایم ایس | یہ مزے مزے کی حکایتیں | ادارہ | 39 |
| نظمیں | آج ہماری ٹیچر نے... | امان الحق | 43 |
| | متو میاں یہ کیا ہے؟ | عبداللہ خالد | 44 |
| قسط وار ناول | رابنسن کروسو۔ آخری قسط | ڈینئل ڈیفو | 45 |
| ننھے فنکار | بچوں کی تخلیقات | ادارہ | 55 |
| بڑوں کی باتیں | ڈاک خانہ | ادارہ | 57 |
| اردو فیس بک | بچوں کی باتیں | ادارہ | 59 |
| نظم | پھول جیسے تمام بچے | معراج احمد معراج | 61 |
| انٹرنیٹ سے | انوکھے منظر | ادارہ | 62 |



**مدیر اعلیٰ:** ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

**نائب مدیر:** ڈاکٹر عبدالحی

**اعزازی مدیر:** نصرت ظہیر

**ناشر اور طابع:**
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020
مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64



**صدر دفتر**
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
**شعبۂ ادارت:** 49539009-11
**ای میل**
bachonkiduniya @ncpul.in
editor@ncpul.in
**ویب سائٹ**
http://www.urducouncil.nic.in
**شعبۂ فروخت:** فون: 26109746
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم،
نئی دہلی-110066
**ای میل:** sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com
'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں
شاخ 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040 - 24415194

# آپس کی باتیں

ننھے دوستو، اس وقت 'بچّوں کی دنیا' کا جو شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے اسے ہم دفتری حساب سے تیسری جلد کا پانچواں شمارہ کہیں گے لیکن عام حساب سے دیکھیں تو یہ چوبیسواں شمارہ ہے۔ یعنی اس شمارے سے 'بچّوں کی دنیا' کے دو سال مکمل ہو رہے ہیں۔ جون 2013 میں پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا تھا تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اتنا پسند کیا جائے گا۔ بچّے ہی نہیں بڑے بھی اسے شوق سے پڑھیں گے۔ تعدادِ اشاعت میں یہ ہندوستان کے ان تمام اردو رسالوں سے آگے نکل جائے گا جن میں سرکاری غیر سرکاری ادبی نیم ادبی، سماجی اور سیاسی سبھی طرح کے اردو رسالے شامل ہیں۔ رسالے کی خوب صورتی نے تو جیسے سبھی کا من موہ لیا۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں آج 'بچّوں کی دنیا' کو اردو کا سب سے خوب صورت رسالہ مانا جا رہا ہے۔ اور بات صرف صورت تک محدود نہیں۔ سیرت میں بھی، یعنی رسالے میں شائع ہونے والی تحریروں کے لحاظ سے بھی، یہ رسالہ بچّوں کا سب سے بہتر اردو رسالہ تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ ملک کے تقریباً سبھی بڑے ادیب اس کے قلم کاروں میں شامل ہیں۔

پچھلے دو برسوں میں آپ کے اس رسالے میں کئی نئے تجربے کیے گئے۔ دنیا کے مذہبوں کے بارے میں اہم معلوماتی سیریز شروع کی گئی۔ سال کے سبھی مہینوں میں دنیا بھر میں پیش آنے والے اُن تاریخی واقعات کی بھی ایک سیریز مکمل ہوئی جنھوں نے ہماری دنیا کو بدلنے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ اگر اس سیریز کے سبھی 12 شمارے آپ کے پاس ہیں تو آپ پورے سال کے ایک ایسے باتصویر کیلنڈر کے مالک بن گئے ہیں جو اپنی طرح کا انوکھا اور دل چسپ واقعاتی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ کامکس میں ہم نے غیر ملکی اور ہندوستانی کہانیوں پر مبنی کامکس کے علاوہ گلیور کے سفر کی مزے دار کامکس سیریز پیش کی ہے اور ان دنوں آپ 'بھولے بھالو' Buster Bear کی معصوم حماقتوں کا لطف لے رہے ہیں۔ 'سائنس کی الف لیلیٰ' کے عنوان سے ہم ان چیزوں کی دریافت سے جڑے ہوئے تاریخی واقعات آپ کو سنا رہے ہیں جو آج کے دور میں بے حد معمولی سمجھی جاتی ہیں مثلاً کانچ، پھٹکری، بارود وغیرہ۔ ان دو برسوں میں آپ کو عالمی ادب کی تین اہم کتابیں قسطوں میں پڑھوائی گئی ہیں۔ پہلے آپ نے جولز ورنے کا مشہور ناول 'دنیا کا سفر اسّی دن میں' Around The World In Eighty Days پڑھا۔ پھر مرزا رجب علی بیگ سرور کی مشہور اردو کتاب 'فسانۂ عجائب' کی تلخیص کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد ڈینئل ڈیفو کے عالمی شہرت یافتہ ناول 'رابنسن کروسو' کا نمبر آیا جسے انگریزی ادب کا پہلا ناول مانا گیا ہے اور جس کی آخری قسط آپ اس شمارے میں پڑھیں گے۔ آپ سب کو قصے کہانیاں لکھنے، نظم و نثر میں کوئی اچھی سی دل چسپ بات کہنے اور تصویریں بنانے کی دعوت دینے کے لیے ہم نے 'ننھے فنکار' کے عنوان سے ایک نیا کالم شروع کیا جسے پہلے تو زیادہ توجہ نہیں ملی اور اس سے ہم ذرا مایوس بھی ہوئے، لیکن اب اچھی تعداد میں آپ کی تخلیقات مل رہی ہیں۔ 'اردو ایس ایم ایس' آپ کا پسندیدہ کالم ہے جس میں آپ کی لکھی ہوئی مزے دار اور کئی مرتبہ بڑے کام کی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ 'اردو فیس بک' شروع سے آپ کو پسند ہے۔ ظاہر ہے اپنی تصویریں کسے اچھی نہیں لگتیں۔ لیکن آپ اس میں گھر کے لوگوں کی دل چسپ باتیں اور واقعات بھی لکھا کریں تو انھیں بھی پڑھنے میں مزا آئے جن کی تصویر شامل نہیں ہے۔

آنے والے دنوں میں ہم 'بچّوں کی دنیا' کو اور بھی بہتر بنانے اور اس میں نئے زمانے کے بچّوں کی پسند کے مطابق نئی چیزیں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ قومی اردو کونسل کئی رسالے شائع کرتی ہے جن کے اداریوں میں ہم نے کبھی اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن آج جی چاہتا ہے کہ 'بچّوں کی دنیا' کی کامیابیوں کے لیے جو تعریفیں ہر طرف ہو رہی ہیں انھیں سر جھکا کر قبول کریں اور ادارتی شعبے کے ان سبھی ساتھیوں کو مبارک باد دیں جن کی دن رات کی محنت اور لگن سے آپ کا رسالہ اس مقام پر پہنچا ہے۔ امید ہے آپ سب کا ساتھ اسی طرح ملتا رہے گا۔ آپ کا دوست،

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

حضرت علی کے یوم ولادت پر

ادارہ

# فرمایا حضرت علیؑ نے!

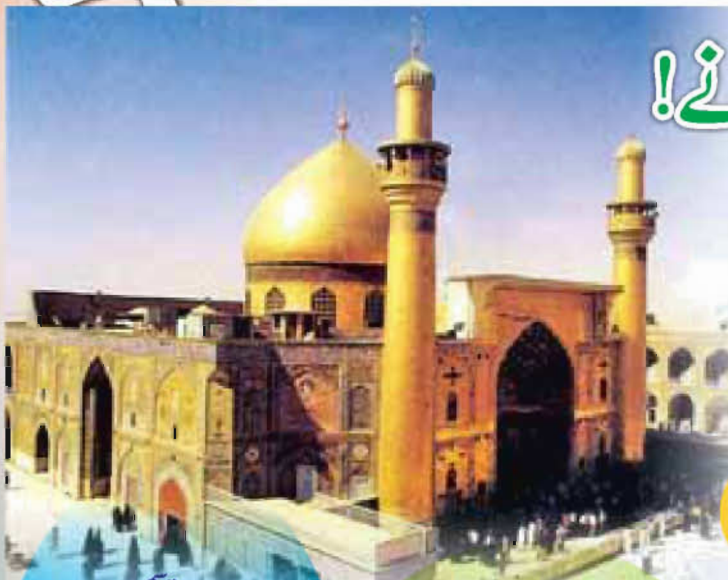

زندگی کی اصل خوب صورتی یہ نہیں کہ آپ کتنے خوش ہیں بلکہ زندگی کی اصلی خوب صورتی یہ ہے کہ دوسرے آپ سے کتنا خوش ہیں

رشتے خون کے نہیں احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے ہو جاتے ہیں اور اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی ہو جاتے ہیں

کسی کی مدد کرتے وقت اس کے چہرے کی جانب مت دیکھو، ہوسکتا ہے اس کی شرمندہ آنکھیں تمھارے دل میں غرور کا بیج بو دیں

نادان لوگ دولت کے لیے دل کا سکون برباد کر دیتے ہیں اور عقل والے دل کے سکون کے لیے دولت لٹا دیتے ہیں

اگر کسی کا ظرف آزمانا ہو تو اس کو زیادہ عزت دو، وہ اعلیٰ ظرف ہوا تو آپ کو اور زیادہ عزت دے گا اور کم ظرف ہوا تو خود کو اعلیٰ سمجھے گا

موت کو ہمیشہ یاد رکھو، مگر موت کی آرزو کبھی نہ کرو

جو شخص تمھارا غصہ برداشت کر لے اور ثابت قدم رہے وہ تمھارا سچا دوست ہے

جانور میں خواہش اور فرشتے میں عقل ہوتی ہے، مگر انسان میں دونوں ہیں، اگر وہ عقل کو دبا لے تو جانور اور اگر خواہش کو دبا لے تو فرشتہ بن جائے

گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے، نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے

ہر انسان کی عزت اور اس سے محبت کرو ہر انسان میں خدا کی کوئی نہ کوئی صفت موجود ہوتی ہے

دنیا اس کو یتیم سمجھتی ہے جس کے ماں باپ نہ ہوں لیکن میں اس کو یتیم سمجھتا ہوں جس کے اچھے دوست نہ ہوں

جب میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے رب سے بات کروں تو میں نماز پڑھتا ہوں اور جب میرا جی کرتا ہے کہ میرا رب مجھ سے بات کرے تو میں قرآن پڑھتا ہوں

سب سے بہترین لقمہ وہ ہوتا ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیا جائے

□ادارہ

# مہاتما بدھ کی باتیں...

بدھ دھرم کے بانی گوتم بدھ کا اصلی نام سدھارتھ تھا۔لگ بھگ ڈھائی ہزار سال پہلے جب وہ پیدا ہوئے تو نجومیوں نے کہا تھا کہ یہ بچّہ بڑا ہو کر بادشاہ بنے گا یا پھر سادھو۔ گوتم بدھ راجہ سدّ ودھن کے بیٹے تھے ۔انھوں نے سدھارتھ گوتم کو راجہ بنانے کے لیے ایسا محل بنوایا جہاں ہر طرح کے آرام اور عیش کے سامان اور نوکر چاکر موجود تھے تاکہ وہ رات دن عیش و آرام میں ڈوبے رہیں اور سنیاسی بن کر دنیا کا ہر آرام چھوڑ دینے کا خیال ان کے دل میں نہ آئے۔ والد نے گوتم کو محل سے باہر لے جانے پر بھی پابندی لگادی۔لیکن گوتم کا دل رنگ رلیوں میں نہ لگا ۔وہ ہر دم کسی نہ کسی غور وفکر میں رہتے۔ یہ دیکھ کر والد نے سولہ برس کی عمر میں ان کی شادی ایک شہزادی یشودھرا سے کر دی۔لیکن گوتم کی عادتیں نہ بدل سکیں ۔ ایک رات انھوں نے اپنے رتھ بان کو محل سے باہر میں شہر لے چلنے پر مجبور کردیا۔شہر میں انھوں نے ایک بوڑھے کو، ایک بیمار کو اور ایک جنازے کو دیکھا جس سے یہ بات ان کی سمجھ میں آئی کہ دنیا میں کچھ بھی ہمیشہ ایک جیسا رہنے والا نہیں ہے۔ جو جوان ہے وہ بوڑھا ہو جاتا ہے، جو صحت مند ہے وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور جو زندہ ہے وہ مر جاتا ہے۔اس کے بعد جس روز ان کا بیٹا راہل پیدا ہوا اسی رات انھوں نے محل چھوڑ کر سنیاس لے لیا۔اپنا شاہی لباس رتھ بان کو سونپ کر انھوں نے ایک چرواہے سے لباس مانگ کر پہنا اور جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ زندگی کو جاننے کے لیے عالموں سے علم حاصل کرنے لگے۔لیکن اس وقت کا ہر علم حاصل کرنے پر بھی ان کی تسلی نہ ہوئی ۔ان دنوں یہ خیال عام تھا کہ روحانی ترقی کے لیے اپنے جسم کو تکلیف پہنچانا ضروری ہے۔ گوتم نے بھی یہ طریقہ آزمایا، موجودہ بہار میں ’گیا‘ پہنچ کر انھوں ایسی فاقہ کشی کی کہ ان کا بدن سوکھ کر ہڈیوں کا پنجر رہ گیا اور انھیں لگا کہ اب وہ مر جائیں گے، لیکن ہمیشہ قائم رہنے والی خوشی کا گیان پھر بھی نہیں ملے گا۔اپنی تلاش ناکام ہو جانے کے خیال سے انھوں نے ایک چرواہن کی نذر کی ہوئی کھیر کھا کر برت توڑ دیا۔کچھ عرصہ بعد وہ ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے دھیان لگا کر بیٹھ گئے اور طے کرلیا کہ جب تک ’ہمیشہ رہنے والی خوشی‘ کا راز نہیں ملے گا تب تک اسی طرح بیٹھے رہیں گے اور مر جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ رات کے پہلے پہر مراقبے اور دھیان کے دوران انھیں وہ گیان مل گیا جس کی انھیں تلاش تھی اور رات کے پچھلے پہر میں ’نروان‘ کی صورت میں نجات کا وہ راستہ بھی مل گیا، جس کا دوسرا نام ’ہمیشہ رہنے والی خوشی‘ یا ابدی مسرت ہے۔ یوں گوتم سدھارتھ سے وہ گوتم بدھ ہو گئے۔اس کے بعد وہ دنیا میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ 35 سال کی عمر میں نروان حاصل کرنے بعد انھوں نے اپنی باقی عمر کے 45 سال تبلیغ میں ہی گزارے۔ آخر سن 483 قبل مسیح بدھ پورنیما کے دن 80 سال کی عمر میں آج کے اتر پردیش میں وارانسی سے 120 میل دور کُسی نارا کے مقام پر انھوں نے آخری سانس لی اور بودھ عقیدے کے مطابق مہا پری نروان حاصل کیا۔

مہاتما بدھ تشدد کے خلاف تھے۔ان کا کہنا تھا کہ برائی سے ہمیشہ تکلیف ملتی ہے اور نیکی ہمیشہ خوشی بن کر سائے کی طرح انسان کے ساتھ رہتی ہے۔□

□ بشریٰ ارشد

# کہانی میں کہانی

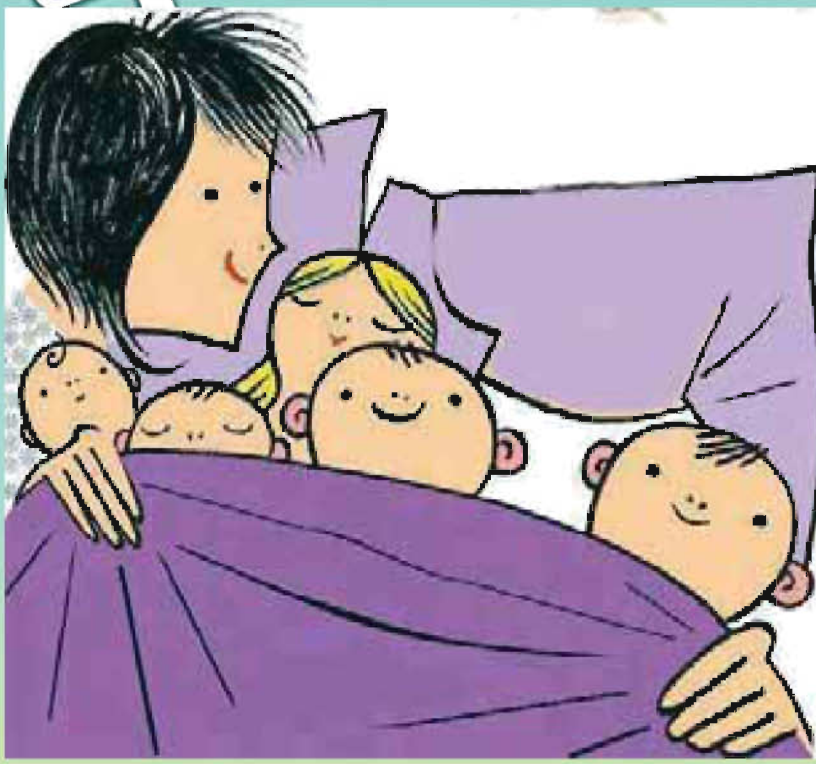

**رات** کو کھانے کے بعد جب سب بستروں پہ آئے تو معمول کے مطابق بچوں نے امی سے کہانی سننے کی فرمائش کر ڈالی۔ لیکن اب سب کو ایک جیسی کہانی سننی ہو تو آدمی کیا کرے۔ طوبیٰ کو پریوں کی کہانی سننی تھی تو سلمان کو جنگل کے راجا شیر کی۔

''مدے تو چندا ماما کی کہانی چھننی ہے۔'' ننھی بسمہ نے توتلی سی پکار لگائی۔

''نہیں نہیں، اس بار امی وہی کہانی سنائیں گی جو میں کہوں گا، بلی اور چوہے کی کہانی۔'' عدنان نے پوری طاقت سے چلا کر کہا۔

''ارے ارے، بچوں شانت ہو جاؤ۔ شانت ہو جاؤ۔'' امی نے سب کو چپ کراتے ہوئے کہا۔ ''میں اس بار تم لوگوں کو ایک سچی کہانی سناؤں گی۔ جو تم سب کو پسند آئے گی۔''

''سچی کہانی!! مطلب بالکل سچی والی۔'' طوبیٰ نے پوچھا۔

''ہاں بالکل سچی والی۔ اچھا اب تم لوگ چپ رہو میں کہانی شروع کرنے جا رہی ہوں۔

''بہت سال پہلے کی بات ہے۔ تمہارے دادا کے دادا جن کا نام پردل تھا۔ بہت ہی نیک اور نرم دل انسان تھے۔ ان کے کھیتوں میں بہت سے مزدور کام کرتے تھا۔ اس زمانے میں کھانے کی بڑی قلت تھی۔ غریب مزدور لوگ بڑی مشکل سے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر گزارا کرتے تھے۔''

''ہائیں! پیٹ کاٹ کاٹ کر؟ لیکن پیٹ کاٹنے کے بعد وہ زندہ کیسے رہتے تھے؟'' ننھے سلمان کے سوال پہ امی نے سر پیٹ لیا۔

''اف توبہ ہے جو یہ بچے کبھی بیچ میں نہ ٹوکیں۔ ارے پیٹ کاٹنے کا مطلب ہوتا ہے آدھا پیٹ کھا کر، بھوکے رہ کر۔ پیٹ کاٹنا تو محاورہ ہے۔'' امی جھلا کر بولیں۔

اچھا جی چلو، اب بیچ میں نہیں بولوں گا۔'' سلو میاں مسکین سی شکل بنا کر بولے۔

’’ہاں ! ورنہ میں کہانی ادھوری چھوڑ دوں گی۔‘‘ امی نے دھمکی دی تو سبھی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

’’ہاں تو دادا پردل کا ایک مزدور تھا، جس کا نام جوکھو تھا۔‘‘

’’جوکھو؟‘‘ طوبیٰ نے ہنسنے والے انداز میں کہا۔

’’تم لوگ تپ تاپ کہانی چھنو ورنہ امی کہانی ہی نہیں کہیں گی تب کرتے رہنا ہی ہی ہی !‘‘ ننھی بسمہ کی بزرگانہ تنبیہ پر امی بھی مسکرانے لگیں۔

’’ہاں اور نہیں تو کیا۔‘‘ امی پھر شروع ہوئیں ’’اب آگے سنو۔ وہ وقت کھیتوں میں غلوں کی کٹائی کا تھا۔ سبھی کی طرح دادا پردل کے کھیتوں کا غلہ بھی کٹ کٹا کر گھر آ گیا۔ دادا پردل نے مزدوروں کو لگوا کر سارا اناج صاف کرایا، دھوپ لگوائی اور اچھی طرح سکھا کر کوٹھیوں میں ڈلوا لیا۔ ان مزدوروں میں میاں جوکھو بھی شامل تھے۔ جب غلہ کوٹھیوں میں رکھا جا رہا تھا تبھی جوکھو کے دل میں بے ایمانی سما گئی۔ اس نے سوچا دن بھر کمانے کے بعد جتنا اناج مجھے مزدوری میں ملتا ہے، اگر تھوڑی سی ہمت اور چالاکی سے بوڑھے پردل کی کوٹھیوں سے اناج چرا لوں، تو اس سے کئی گنا زیادہ ایک بار میں ہی مل جائے۔ پہلے تو اس کے دل نے ملامت کی کہ نہیں نہیں ! چوری کرنا بری بات ہے۔ اور اگر پکڑا گیا تو... لیکن شیطان اس کے دل میں گھس چکا تھا۔ لالچ من میں سما چکا تھا۔ اس نے سوچا بوڑھے پردل کے گھر میں جہاں کوٹھیاں رکھی ہوئی ہیں، وہاں سے اناج چرا کر لے جانا اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔ اور بچو! اس زمانے میں تو گاؤں میں دروازہ بند کر کے سونے کا رواج بھی نہیں تھا۔ سارے گھروں کے دروازے راتوں کو بھی کھلے رہتے تھے۔ ہاں، گھر کا گارجین یا مالک کوئی مرد ضرور دروازے کے پاس ہی بستر لگا کر سوتا تھا۔ پردل دادا کا بستر بھی دروازے کے قریب

ہوتا تھا۔ اور وہیں پہ ایک طرف دیوار سے لگی ہوئی اناج کی کوٹھیاں قطار میں رکھی ہوئی تھیں۔

''جوکھو نے سوچا، کیا ہوا جو مالک دروازے پر سوتا ہے۔ آدھی رات گزر جانے کے بعد میں چپکے سے آؤں گا۔ مالک بے چارا بوڑھا آدمی ہے۔ نیند میں بے خبر رہے گا۔ میں چپکے چپکے کوٹھی کا منہ کھول کر اناج نکال لوں گا اور دبے پاؤں بھاگ آؤں گا۔

''جب اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تو کام کرنے کے بہانے دادا پردل کے گھر کا اچھی طرح معائنہ کر لیا اور چوری کرنے کی پوری پلاننگ کر لی۔ جب رات ہوئی اور آدھا

پہر گزر گیا۔ سارے لوگ سو گئے۔ چاروں اور سناٹا چھا گیا۔ جوکھو جو تاک میں ہی تھا، چپکے سے دادا پردل کے گھر میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر تک اس نے سانس روک کر سن گن لینے کی کوشش کی۔ بوڑھے پردل کے خراٹوں کے سوا جب کوئی آہٹ نہ ملی تو آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے کوٹھیوں کی طرف چلا۔ کوٹھی کا منھ کھول کر ساتھ لائی ہوئی بوری کا منھ کوٹھی کے منھ سے لگایا اور کر کوٹھی کے منھ کا تختہ ہٹا دیا۔ سر سر سر کی آواز کے ساتھ اناج بوری میں گرنے لگا۔ دادا پردل کی نیند بڑی کچی تھی۔ ان کی آنکھ اس آواز پہ کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی ان کی کوٹھی سے اناج نکال رہا ہے۔ تھوڑا غور سے دیکھنے پر انہوں نے جوکھو کو پہچان لیا۔ غصہ تو بڑا آیا کہ بھلا بتاؤ اگر ضرورت تھی تو مجھ سے مانگ لیتا۔ میرا ہی مزدور ہو کر اس طرح میرے گھر میں گھس کر چوری کرنے کی اس کی ہمت کیسے ہوئی بھلا۔ اسے ہی کہتے ہیں جس تھالی میں کھایا اسی میں سوراخ کر دیا۔ دل چاہا اٹھ کے پکڑ کر دو چمیٹ لگائے کان کے نیچے۔ اٹھنے کو تھے ہی کہ اچانک دل میں خیال آیا کہ بیچارے کو پیٹ کی بھوک ہی نے ستایا ہوگا تبھی تو اتنا خطرہ مول کر چوری کرنے آ گیا ہے۔ جانے دو ایک بوری اناج ہی تو لے جائے گا نا۔ اس سے میرے بال بچوں کی روزی تو کم نہیں ہو جائے گی۔ ہاں اس کے بال بچوں کا پیٹ ضرور بھر جائے گا۔ دادا پردل آخر تھے تو سدا کے نیک اور ہمدرد، سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی چپ کر کے اپنے بستر پہ لیٹے رہے۔ ادھر جوکھو کی بوری جب بھر گئی تو چپکے سے وہ بوری اٹھا کر نکلا اور اپنے گھر کی طرف چلتا بنا۔ گھر پہنچ کر اس کی سانس میں سانس آئی۔ پورا بدن پسینہ سے تر تھا اس نے سوچا بے کار میں ہی میں اتنا گھبرا تا تھا، چوری کرنا تو بڑا آسان ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور میرا کام بھی ہو گیا۔

''اب اس کے دل میں شیطان نے اور لالچ ڈالنا شروع کیا۔ ابھی کتنی رات باقی ہے۔ اگر میں چاہوں تو دو تین بوری اناج اور چرا کر لا سکتا ہوں۔ کہتے ہیں ایک بار جو برائی کی طرف قدم اٹھا دے پھر اس کے لیے، بار بار برائی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جوکھو کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ شیطان کے بہکاوے میں تو وہ پڑ ہی چکا تھا۔ اور زیادہ

اناج چوری کرنے کی نیت سے وہ دادا پردل کی گھر کی طرف چل دیا۔

اُدھر دادا پردل ابھی جوکھو کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے۔ انھوں نے دوبارہ آہٹ سنی، اور پلٹ کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں جوکھو پھر سے دبے پاؤں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا چلا آرہا ہے۔ اب یہ کیا کرنے آ گیا۔ ابھی وہ اس کے دوبارہ آنے کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ دیکھا، جوکھو پھر سے کوٹھی کا منہ کھول کر بوری میں اناج بھر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ان کا خون کھول گیا۔ بتاؤ بھلا۔ ایک بوری لے گیا تو لے گیا اب دوسری بوری بھی بھرنے چلا آیا۔ ذرا سا بھی ڈر نہیں ہے اس کے دل میں۔ اب تو اس کو سزا ملنی ہی چاہیے۔ انھوں نے چلاّ کر کہا، کیوں بے جوکھوا! سارا اناج تو ہی لے جائے گا، یا میرے بال بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑے گا۔

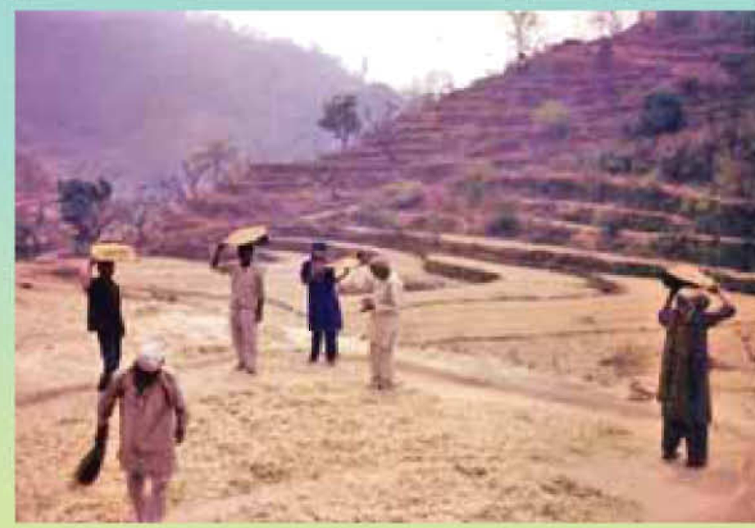

جوکھو جلدی جلدی اناج نکالنے میں لگا تھا۔ آواز سن کر بری طرح کانپ گیا۔ فوراً سر گھما کر پیچھے دیکھا مالک کو کھڑا دیکھ کر اس کی سٹی پٹی گم ہوگئی۔ وہ بوری چھوڑ چھاڑ کر الٹے پاؤں سرپٹ بھاگ لیا۔ دادا پردل بھی اسے پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑے۔ جوکھو تھوڑی ہی دور دوڑنے کے بعد ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر نیچے گر پڑا۔ دادا پردل اس کے بالکل پیچھے ہی تھے سو اس سے ٹکرا کر وہ بھی گر پڑے۔ اب حالت یہ تھی کہ دونوں زمیں پر گتھم گتھا تھے۔ دادا پردل اوپر تھے اور جوکھو میاں نیچے۔ جوکھو بھاگنے کے لیے اپنا پورا زور لگا رہا تھا اور دادا پردل اسے کسی قیمت پر بھاگنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اور اسے پوری طاقت سے پکڑ کر اپنے نیچے دبائے ہوئے تھے۔ جب دادا پردل نے دیکھا کہ یہ بھاگنے میں کامیاب ہوسکتا ہے، تو سوچا کہ شور کر کے لوگوں کو جمع کر لوں۔ لیکن پھر سوچا کہ اگر میں نے لوگوں کو آواز لگائی اور چور چور کا شور مچایا تو جو بھی لوگ دوڑے آئیں گے وہ چور کو مارنے کے لئے لاٹھی ڈنڈا تو ضرور ساتھ لیتے آئیں گے۔ اور آتے ہی لاٹھی برسانا شروع کر دیں گے۔ اندھیرے میں انہیں یہ نہیں پتہ چلے گا کہ چور کون ہے اوپر والا یا نیچے والا۔ جب تک میں انہیں بتاؤں گا، چار پانچ لاٹھی تو مجھے بھی پڑ ہی جائیں گی۔ اب کیا کروں۔ شور نہ کروں تو چور بھاگ جائے اور شور کروں تو خود ہی پٹ جاؤں۔ اچانک ان کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ دادا پردل نے اپنی ترکیب کے مطابق زور سے آواز لگائی۔

”دوڑو او گاؤں کے لوگ! اوپر پردل نیچے چور، دوڑو او گاؤں کے لوگ! اوپر پردل نیچے چور۔“

محلے کے لوگ شور سن کر جمع ہو گئے۔ دادا پردل کے شور کی وجہ سے وہ سمجھ گئے کہ دادا پردل اوپر ہیں اور چور نیچے والا ہے۔ لوگوں نے چور کو پکڑ لیا اور اس طرح سے دادا پردل مار کھانے سے بچ گئے۔ تو بچوں یہ تھی تمہارے دادا پردل کی کہانی۔ مزہ آیا؟“

”ہاں ہاں بہت مزہ آیا“ سب بچے ہنستے ہوئے بولے۔

”اچھا چلو اب سو جاؤ۔ اب سونے کا وقت ہوگیا۔“ امی کے کہنے پر سبھی بچے آنکھیں موند کر سو گئے۔

**Bushra Arshad**
Salfiya Yunani Medical College and Hoaspital
Darbhanga, Bihar

کہانی

ایم رحمان

# فضول خرچی

**ماں** اقبال سے کہہ رہی تھیں:

''بیٹے! تمھیں میں اسکول جانے کے وقت 'پاکٹ منی' دیتی ہوں کہ تم چاہو تو اسے دو تین دنوں تک خرچ کرسکتے ہو۔ مگر... جب دیکھو تب... 'ماں، مجھے کچھ پیسے دے دیجیے نا!'... یہ کیسی گندی عادت بنا لی ہے۔ ہر وقت سوالی بن کر سامنے آجاتے ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ شاید میں نے ہی تمھیں منہ مانگے پیسے دے کر خود پر اُلجھن مول لے لی ہے... حد تو جب ہوگئی... اتوار کا دن تھا، اسکول کی چھٹی تھی۔ مگر تم نے نئی فرمائش کا پٹارہ لا کر سامنے رکھ دیا۔ صاف صاف بتاؤ کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ میں بھی تو جانوں!''

''ماں! مجھے موبائل فون دلا دیجیے نا... آپ کتنی اچھی ماں ہیں نا!''

''دیکھو اقبال! تم ابھی چھوٹے ہو۔ اس عمر میں بچے کو اس کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ یہ تو تمھارے پڑھنے لکھنے کا زمانہ ہے۔''

مگر اقبال بھی کم نہیں تھا۔ اُس نے تو ضد کی گانٹھ باندھ لی۔

''ماں! آپ یہ سمجھیے نا... موبائل فون سے میں ہر وقت آپ کے ٹچ Touch میں ہی تو رہوں گا۔ پھر آپ کو میری فکر بھی تو بہت رہتی ہے نا!''

''ارے اقبال، بیٹے تم تو بڑے ہوشیار ہوگئے ہو؟'' ماں نے سوچا کہ بیٹا کہیں ڈپریشن کا مریض نہ بن جائے۔ یوں بھی اسکول میں سبھی بچے موبائل لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضد بھی پوری ہوئی...

ایک دن یوں ہوا کہ اقبال اپنا لنچ باکس گھر پر بھول کر اسکول چلا گیا۔ ماں کو یہ فکر ستانے لگی کہ آج بے چارہ بیٹا بھوکا رہ جائے گا۔

اس نے ٹھیک لنچ کے وقت اسے فون کیا۔

مگر یہ کیا۔ فون کا تو سوئچ آف بتایا جا رہا تھا۔

ماں اور بھی پریشان ہوگئی۔ کئی دفعہ کوشش کے باوجود اس کا رابطہ

اقبال سے نہ ہوسکا، تھک ہار کر وہ اسکول کی جانب چل پڑی۔

معلوم یہ ہوا کہ اقبال تو اسکول ہی سے غیر حاضر ہے۔

یہ کیسی بات ہے؟

ایسا تو نہیں اُسے کہیں کڈنیپ کرلیا گیا ہو؟ یا خدانخواستہ کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہوگیا؟

اللہ میری توبہ! میں بھی کیا کیا سوچ گئی ہوں؟

دل کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں۔

اقبال ٹھیک شام کے چار بجے گھر لوٹ آیا۔ ماں کی جان میں جان آئی۔

وہ اُسے دیکھ کر غصہ سے لال پیلی ہورہی تھی۔

''آپ غصے میں ہیں؟ ماں، دیکھیے نا! کل سبھی بچے پکنک منانے جارہے ہیں۔ مجھے پانچ سو روپے کی ضرورت ہے! جاوید، اکرم، اسلم سبھی جارہے ہیں ماں۔''

ماں کچھ دیر خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔ پھر تلملا کر بولیں:

''کیا خوب!... پکنک پر جاؤ گے؟''

''ہاں ماں، میں بھی جاؤں گا۔''

''کیا تم آج اسکول گئے تھے؟''

''کیوں نہیں... آپ چاہیں تو کلاس ٹیچر سے پوچھ لیں؟''

اس نے مزید جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی... لیکن جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ ماں کو سب خبر ہے۔ ماں نے زور کا دار طمانچہ جڑ دیا۔

''ماں! یہ کیا؟''

''کمبخت! جھوٹ کا سہارا بھی لینے لگے ہو؟ شرم نہیں آتی کہ ماں سے بھی جھوٹ بولنے لگے۔ تم نے میرے بھروسے کا قتل کیا ہے... تمہارے پاپا جب یہ سب سنیں گے تو تم ان کی نظروں سے بھی گر جاؤ گے۔ تمہاری کوئی فرمائش وہ نہیں سنیں گے۔ کیا تم یہی چاہتے ہو کہ وہ بھی تمھیں جھوٹا سمجھا کریں؟''

''نہیں... ماں... نہیں ماں!'' اقبال کی آنکھوں میں آنسو آنے

لگے۔ ماں کی ڈانٹ جاری تھی۔

''...اب تو تم اپنے کلاس ٹیچر سے موبائل پر ہی اپنی حاضری لگوایا کرنا۔ یہی تمھاری سزا ہے۔''

''ماں، یہ کیسی سزا ہے۔'' اقبال رندھے گلے سے بولا'' بچے کیا سمجھیں گے ماں! سب میرا مذاق اڑائیں گے۔ میں توبہ کرتا ہوں اسکول سے کبھی غیر حاضر نہیں رہوں گا۔ مجھے معاف کردیجیے ماں!''

اس نے سچ مچ ہاتھ جوڑ لیے۔

''دیکھو بیٹے! اپنے دماغ سے فضول خرچی کا یہ فتور نکال دو۔ بچت کی عادت ڈالو۔ اپنے اکاؤنٹس میں جمع کیا کرو۔ کل ہی کی بات ہے، اشرف کی ممی بتارہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے 'پاکٹ منی' سے اب تک بڑی رقم جمع کرلی ہے اور اس مرتبہ وہ پاپا کو ان کے برتھ ڈے پر اپنا خریدا ہوا تحفہ دے گا۔ سوچو اس کے پاپا کتنے خوش ہوں گے۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں ماں... میں بھی اب ایسا ہی کروں گا۔ روز پیسے بچاؤں گا، آپ کی اور پاپا کی خوشی کے لیے سب کچھ کروں گا۔''

ماں کی آنکھیں خوشی سے چھلک اٹھیں اور انھوں نے بڑھ کر اقبال کو سینے سے لگالیا! ◻

**M Rahman**
160, Ghalib Aptt. Parwana Road, Pitampura, Delhi - 110034

کہانی

# معصوم لومڑی

خوشنودہ نیلوفر

**لومڑی** صبح صبح پوجا پاٹھ سے فارغ ہوکر گھر کی طرف لوٹ رہی تھی۔اس کے دل میں اچھے خیالات آرہے تھے۔وہ کچھ سوچتے ہوئے چلی جارہی تھی کہ اچانک پیچھے سے اسے ایک کتے نے دوڑا لیا۔صبح صبح اس ناگہانی آفت سے وہ گھبرا گئی۔وہ بے تحاشہ بھاگنے لگی۔دوڑتے دوڑتے وہ تھک گئی۔زورزور سانس لیتے لیتے اس کے دونوں نتھنے دکھنے لگے۔دوڑتے دوڑتے راستے میں اس کو ایک کاغذ کا ٹکڑا دکھائی پڑا۔اس نے کاغذ اٹھا کر اپنے منھ پر چپکا لیا۔اور موقعہ پاکر ایک گیدڑ کی ماند میں گھس گئی۔دروازے پر کھڑے ہوکر اس نے اپنی سانس درست کی، چہرے پر ایک افسر کا رعب پیدا کیا اور گیدڑ سے مل کر بولی۔

''باہر ضلع دار صاحب آئے ہیں مال گزاری وصول کرنے۔جاؤ دیکھو کیا کہہ رہے ہیں؟''

گیدڑ نے سال بھر سے مال گزاری جمع نہیں کی تھی۔وہ گھبرا گیا اور لومڑی سے ساتھ چل کر سفارش کے لیے منت کرنے لگا۔

لومڑی غرا کر بولی۔

''ایک تو تم نے حکم عدولی کی ہے۔اس پر سفارش کرنے کے لیے کہہ رہے ہو۔میں سرکار کی نوکر ہوں، تمھاری نہیں۔آج صاحب بہت غصے میں ہیں۔جب تک تم خود صاحب سے ملاقات نہیں کرلوگے، تب تک کچھ کام بننے والا نہیں ہے۔''

بے چارا بوڑھا گیدڑ ڈرا سہا دھوتی سنبھالتا ہوا جیسے ہی ماند کے دروازے سے منھ باہر نکالا، کتا تو غصے میں تھا ہی، اس نے گیدڑ کو اٹھا کر پٹک دیا۔

دیر ہوگئی مگر گیدڑ واپس نہیں لوٹا تو لومڑی نے اس کی بیوی سے کہا۔

''ذرا تم جا کر دیکھو۔تمھارے شوہر کہیں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئے۔ابھی تک واپس نہیں آئے۔''

گیدڑ کی بیوی نے کہا۔

''بہن جی! آج تک میں نے اس چوکھٹ سے باہر قدم نہیں نکالا

ہے۔کہیں وہ مجھ پر ناراض نہ ہوجائیں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو؟ مصیبت میں شوہر کا ساتھ دینا تمھارا پہلا فرض ہے۔شادی کے وقت تم نے یہی قسم کھائی تھی نا؟''لومڑی نے یاددلایا۔

سیار کی بیوی بولی''کھائی تو تھی۔''

''تو کیا سوچ رہی ہو؟ یہی وہ گھڑی ہے جب تمھارے شوہر کو تمھاری ضرورت ہے۔''

سیار کی بیوی کے چہرے پر فرض ادائیگی کی چمک ابھر آئی۔وہ گھبرائی ہوئی، لجاتی شرماتی جیسے ہی ماند کے باہر کی طرف چلی مگر جیسے ہی سر باہر نکالا، کتے نے اسے باہر کھینچ لیا۔غصے میں اس نے گیدڑ کی بیوی کو اتنی زور سے زمیں پر پٹکا کہ اس کی جان نکل گئی۔

لومڑی اندر آرام سے بیٹھی ناشتے پانی کا لطف اٹھا رہی تھی۔جب کچھ دیر ہوگئی، سیار اور اس کی بیوی واپس نہیں لوٹے،تو لومڑی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔اس کی نظر سیار کے بیٹے پر پڑی جو بغل میں کھڑا لومڑی کو پنکھا جھل رہا تھا۔

لومڑی پیار سے مخاطب ہوئی۔

''بیٹے !اتنی دیر ہوگئی۔تمھارے ماں اور باپو واپس نہیں آئے۔لگتا ہے کوئی خاص بات ہو گئی ہے ۔شاید ان کو تمھاری ضرورت ہوگی۔تم لائق بیٹے ہو۔اس مشکل گھڑی میں تم ان کے کام نہیں آؤ گے تو کون آئے گا۔اس دن کے لیے تو ماں باپ اپنی اولاد کو پالتے پوستے ہیں۔سوچو کتنی راتیں جاگ کر ان دونوں نے تم کو اتنا بڑا کیا ہوگا۔''

بیٹے کو اپنا فرض یاد آ گیا۔سانس کی رفتار تیز ہوگئی۔رگوں میں جوش بھر آیا۔سینا ابھر گیا۔نتھنوں کو اوپر نیچے پھلایا پچکایا اور ماند کے دروازے کی طرف چل دیا۔جیسے ہی اس نے ماند سے باہر سر نکالا کتا غصے میں بھرا کھڑا ہی تھا، سر دبوچ کر اس کو زمیں پر پٹک دیا۔چیں چاں کی آواز ابھری، اور پھر خاموشی چھا گئی۔

لومڑی ناشتے سے فارغ ہوئی تو سیار کی بیٹی سے بولی:

''بیٹی بیٹا ایک سمان۔تمھارے ماں باپو کی جتنی مدد ان کا بیٹا کر رہا ہے اتنی ہی مدد تم کو بھی کرنی چاہیئے ۔اب مجھے ہی دیکھ لو۔سرکار کی بیٹی ہوں ۔دن رات سرکاری کام میں لگی رہتی ہوں ۔اگر ایسا نہیں کرتی تو آج تمھاری مدد کو یہاں کیسے حاضر ہو پاتی ؟''

گیدڑ کی بیٹی لومڑی کی بات بہت دھیان سے سن رہی تھی۔

لومڑی بولی:

''مانا کہ بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے۔مگر بھائی بہن کا رشتہ تو اٹوٹ ہے۔زمانے میں بڑے بڑے کام بیٹیاں کر رہی ہیں ۔تم کچھ کم تھوڑی ہی ہو کسی سے۔اب تک وہ لوگ لوٹے نہیں ۔شاید ان لوگوں کو تمھاری ضرورت پڑے۔ویسے تو تمھارا بھائی ہی کافی ہے تمھاری ماں اور باپو کی مدد کے لیے۔مگر بھائی کا حوصلہ بڑھانا بھی تو ضروری ہے۔اور تمھارے ماں باپو بھی تمھاری ہمت دیکھ کر پھولے نہیں سمائیں گے۔''

لومڑی آرام سے چار پائی پر لیٹی سیار کی بیٹی کو غیرت کو جگاتی رہی۔سیار کی بیٹی جوش میں بھری ہوئی جیسے ہی ماند کے دروازے پر پہنچی اور سر کو باہر نکالا، غصے میں آگ ببولہ کتے نے اس کا سر پکڑ کر وہیں زمین پر دے مارا۔

بہت دیر تک کتا گیدڑ کی ماند پر کھڑا لومڑی کا انتظار کرتا رہا، مگر وہ باہر نہیں نکلی۔آخر کار تھک ہار کر کتا واپس چلا گیا۔دیر رات لومڑی باہر نکلی اور ایک بھرپور جماہی لے کر اپنے گھر کی طرف چل دی۔□

**Dr Khushnuda Nilofer**
Asstt Regional Director, IGNOU, Aligarh UP

فرانسیسی کہانی

الفانسو دودے ترجمہ: عبدالرحمٰن انصاری

# میاں سیغاں کی بکری

**فرانس** کے چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوڑھے میاں رہتے تھے جنھیں لوگ میاں سیغاں کے نام سے جانتے تھے۔ انھیں بکریاں پالنے کا بے حد شوق تھا۔ شاید بکریاں پالنا ان کی قسمت میں نہیں تھا کیونکہ صبح میں چرتے چرتے وہ بکریاں جنگل میں بہت دور نکل جایا کرتیں اور شام ہوتے بھیڑیا انھیں ہضم کر جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک ایک کر کے میاں سیغاں کی ساری بکریاں ختم ہوگئیں۔

''شاید یہ بکریاں آزاد طبیعت کی مالک ہوتی ہیں۔'' میاں سیغاں سوچا کرتے۔

..... ایک دن وہ کہیں سے ایک نئی بکری مول لائے۔ یہ ساتویں بکری تھی۔ اس بار انھوں نے بکری کا انتخاب نہایت سمجھ داری سے کیا۔ وہ نئی نویلی اور کم عمر بکری لائے تا کہ وہ ان سے اوران کے گھر سے اچھی طرح مانوس ہو جائے اور اس کے دل میں کبھی بھاگنے کا خیال پیدا نہ ہو۔

بکری سچ مچ بہت خوبصورت تھی۔ اس کی کھال نہایت ملائم اور کومل، رنگ ، دودھ جیسا اُجلا اور کُھر کالے کالے... ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پاؤں میں مہندی رچ دی گئی ہو۔ اس کے سینگ نوکیلے اور گھومے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ ہالہ بنا ہوا تھا جو یوں لگتا تھا جیسے آنکھوں میں ہمہ وقت سُرمہ لگا رہتا ہو۔ جب گردن ہلا کر اور دُم مٹکا کر وہ چلتی تو ہرن کی چال بھی اس کے سامنے پھیکی پڑ جاتی۔ میاں سیغاں یہ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے اوران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ انھوں نے پیار سے اس کا نام مخملی رکھ دیا۔ وہ اسے پا کر فخر محسوس کرنے لگے تھے۔ انھوں نے اپنے گھر کے پیچھے والے باڑے میں اسے رکھنے کا انتظام کیا۔ وہ مخملی سے بہت پیار کرتے تھے اور چپکے چپکے اس سے باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے آرام و

آسائش کا ہر وقت دھیان رکھتے۔ دن کے وقت اسے ہرے بھرے کھیتوں میں باندھ دیتے اور رسّی اتنی لمبی رکھتے کہ وہ آسانی کے ساتھ گھاس چرتی رہے اور اچھل کود کرتی رہے۔

.....کافی وقت گزر گیا۔ مخملی بڑی ہوگئی۔ چرتے چرتے اسے کبھی محسوس ہوتا کہ اس گھاس میں اب پہلی جیسی مٹھاس نہیں۔ یہاں کی آب وہوا میں وہ تازگی نہیں جو پہلے ہوا کرتی تھی... یہ سوچتے ہوئے وہ کبھی کبھی اداس ہو جاتی اور چپ چاپ بیٹھی رہتی۔

ایک دن چرتے چرتے اس کی نظر پہاڑیوں کی طرف اٹھ گئی۔ دیر تک وہ ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی۔ اچانک اس کے دل میں ایک خیال آیا جس کے ساتھ ہی اس کے تن بدن میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

اسے پہاڑیوں پر جانے اور آزادی سے اُچھلنے کودنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ کھونٹے میں بندھے رہنے کی وجہ سے وہ جا نہیں سکتی تھی۔ اب وہ بہت غمگین رہنے لگی اور اسی غم میں دن بدن دبلی ہونے لگی۔

ایک صبح اس نے میاں سیغاں سے کہا:

’’میری رسی کھول دیجیے میں پہاڑوں کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

یہ سنتے ہی میاں سیغاں کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ بڑے دکھ بھرے لہجے میں بولے:

’’مخملی، تم بھی مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟ ...تم سے پہلے بھی کئی

بکریاں مجھے چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ میری چہیتی رانو جو بہت مضبوط اور طاقت ور تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور اسے کم بخت بھیڑیا ہڑپ کر گیا۔ مجھے یاد ہے وہ پوری رات ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی۔ وہ سچ مچ ہمت والی تھی بھی... لیکن صبح ہوتے ہوتے وہ تھک گئی اور دم توڑ گئی۔ آخر یہ کم بخت بھیڑیے، بکریوں سے زیادہ طاقت ور کیوں ہوتے ہیں؟ کیا تمھیں یہاں کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی ہے؟'' ان کی آواز بیٹھنے لگی تھی۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے، بس میرا پہاڑوں پر جانے کو جی کر رہا ہے۔'' مخملی بولی۔

''لیکن بھیڑیے کے آجانے پر تم کیا کرو گی؟''

''میں اس سے مقابلہ کروں گی... مرتے دم تک...''

یہ سن کر میاں سیغاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انھوں نے کہا: ''نہیں میں تمھیں وہاں نہیں جانے دوں گا۔ اب میں تمھیں بند کر کے رکھوں گا تاکہ بھیڑیا تم تک نہ پہنچ سکے۔''

اس کے بعد انھوں نے مخملی کو ایک کمرے میں بند کر کے تالا لگا دیا لیکن کھڑکی بند کرنا بھول گئے۔ موقع دیکھ کر مخملی کھڑکی سے باہر کود گئی اور پھر یہ جا... وہ جا...

جیسے ہی مخملی پہاڑ پر پہنچی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سارا ماحول خوشی سے جھوم رہا ہو۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بنٹ رہی ہوں۔ مخملی خود کو ایک ملکہ تصور کر رہی تھی اسے گمان ہو رہا تھا جیسے سارے پیڑ، پودے اور درخت جھک کر دست بستہ اس کی سلامی لے رہے ہوں۔ پھول بھی اس وقت پوری لگن کے ساتھ اپنی خوشبو ہواؤں میں گھول رہے تھے اور فضا کو معطر بنا رہے تھے۔ یہاں کی گھاس واقعی تر و تازہ اور خوش ذائقہ تھی، وہاں دور نیچے میاں سیغاں کے کھیت کی گھاس سے کئی گنا بہتر۔

اسے کسی چیز سے ڈر نہیں لگ رہا تھا وہ بالکل آزاد تھی۔ دوڑ کر کبھی اِس پہاڑی پر چلی جاتی تو کبھی اچھل کر اُس ٹیلے پر چڑھ جاتی۔ خوب کھیلتی کودتی پُھدکتی اور اَٹ کھیلیاں کرتی۔ کبھی گردن اٹھا کر جی بھر کے تازہ ہوا میں سانس لیتی۔ اس نے کچھ پہاڑی بکریوں سے دوستی بھی کر لی۔ وہ خود کو دنیا کی خوش و خرم ہستی تصور کرنے لگی اور اپنی کامیابی پر اسے فخر ہونے لگا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ گرتے ہوئے پانی کے جھرنے اس کی اس آزادی پر مبارک باد پیش کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے کب شام ہو گئی اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ سورج ڈوب چکا تھا اور اندھیرے نے دھیرے دھیرے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانا شروع کر دیے۔ جنگلی بکریاں بھی سلام کر کے رفتہ

رفتہ رخصت ہونے لگی تھیں۔

"اتنی جلدی!"، مخملی حیران ہوتے ہوئے بولی۔

دھیرے دھیرے گھنا کُہرا پڑنے لگا۔ دور نیچے میاں سیغاں کا گھر دھندلکے میں ڈوب چلا تھا۔ مخملی اداس ہوگئی۔ تبھی اسے اپنے پیچھے سے بڑے بڑے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ سہم گئی... نیچے سے میاں سیغاں سیٹی بجا رہے تھے اور تیز آواز میں اسے پکار رہے تھے۔ مخملی سوچ میں پڑ گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کیوں نہ واپس چلی جائے۔ تبھی اسے کھونٹا، رسّی اور پھیکی گھاس یاد آگئی اور اس نے واپسی کا فیصلہ ترک کر دیا۔ میاں سیغاں بھی آواز لگا کر تھک گئے اور ناامید ہو کر واپس چلے گئے۔

تبھی اسے اپنے پیچھے سرسراہٹ سی سنائی دی۔ وہ جھٹ سے مڑی۔ اسے دو چھوٹے چھوٹے کان نظر آئے جو تیر کی طرح سیدھے کھڑے تھے۔ دو گول گول آنکھیں جن سے شعلے ٹپک رہے تھے... مخملی کو یقین ہوگیا کہ یہ بھیڑیا ہی ہے: بھاری بھرکم اور طاقت ور!

بھیڑیا اسے للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور پہلے سے ہی اس کے نرم گوشت کا ذائقہ محسوس کر کے دل ہی دل خوش ہو رہا تھا۔ تبھی بھیڑیے نے اپنے سرخ ہونٹوں پر زبان پھیری اور چٹخارے بھرتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسے ہڑپ کر جائے گا۔

مخملی بھی سمجھ رہی تھی۔ اسے ہلکا سا ڈر محسوس ہونے لگا۔ لیکن اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ بھی چہیتی رانو کی طرح پو پھٹنے تک اس کا مقابلہ کرتی رہے گی۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہوگئی... بھیڑیا آگے

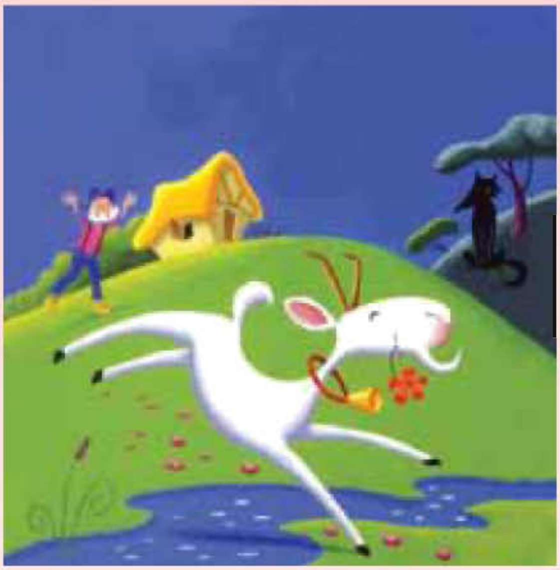

بڑھتا آ رہا تھا...

اس نے جھٹ سے پینترا بدلا اور اپنے نوکیلے سینگ ہوا میں لہرائے۔ دسیوں بار اس نے بھیڑیے کو اپنی سینگوں سے پیچھے کی طرف کھدیڑ کر رکھ دیا۔ وہ پے در پے وار کیے جا رہی تھی۔ اس دوران بھی وہ اپنی آزادی کے وقار کو بھولی نہیں تھی اور وقتاً فوقتاً دائیں بائیں سے گھاس چر لیا کرتی۔ وہ ستاروں کی طرف نظریں اٹھاتی اور سوچتی:

"مجھے بھی صبح تک مقابلہ کرنا ہے۔ مجھے بھی رانو کی طرح باہمت اور طاقت ور بننا ہے۔"

آخر کار آسمان پر صبح کے آثار دکھائی دینے لگے۔ کہیں سے مرغ نے بانگ بھی دینی شروع کر دی۔ مخملی گھانس پر ڈھیر ہوگئی۔ تھکاوٹ سے اس کا بدن چور ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ زخم کے نشان تھے جن سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی نرم اور ملائم کھال کو سرخ بنا رہا تھا۔ آخر بھیڑیے نے اس کو اپنا نوالہ بنا ہی ڈالا۔ □

فرانسیسی مصنف الفونسے دودے Alphonse Daudet کی بچوں کے لیے لکھی گئی کہانیوں کے مجموعے Lettres de mon Moulin کی کہانی La chèvre de Monsieur Seguin کا ترجمہ

**Abul Rahman Ansari**
106 B, Lohit Hostel, JNU,New Delhi, Pin 110067

مترجم: انیس الدین ملک / **نظر ثانی**: نصرت ظہیر

# سائنس کی الف لیلہ

## نئی دنیا میں بارود کیسے بنا؟

**کولمبس** کے مغرب کی طرف پہلے سمندری سفر کے کچھ سال بعد ہی ہسپانیوں یعنی اسپین کے باشندوں نے نئی دنیا یعنی براعظم امریکہ کی سرزمین میں رہنا بسنا شروع کردیا اور 1518 میں انھوں نے ایک نیا ملک دریافت کیا جسے میکسیکو کہتے ہیں۔

ہسپانوی یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ میکسیکو کے باشندے پہلے فتح کیے گئے جزیروں کے باشندوں کی بہ نسبت کافی منظّم تھے۔ مگر وہ روکھے اور گنوار تھے اور انھیں ہسپانوی وحشی کہتے تھے۔ میکسیکو کے باشندے ایک منظّم زندگی گذارتے تھے اور ان کی ایک باقاعدہ حکومت تھی۔ ایک پائیدار قانونی نظام تھا اور ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا جو بہت شان وشوکت کے ساتھ پتھروں سے بنے ہوئے محل میں رہتا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں درباری اور سفیر موجود رہتے تھے۔ اس کے علاوہ عام لوگ بہت سے پیشوں میں ماہر تھے اور تانبہ، رانگا، سونا اور چاندی کا کام کرتے تھے۔

بادشاہ ایک تجربہ کار جنگجو تھا اور اس کے سپاہی نڈر اور دلیر تھے کیونکہ ان کا یہ یقین تھا کہ جو آدمی لڑائی کے میدان میں مارا جاتا ہے وہ فوراً ہی سورج کے سنہرے چمکیلے محلوں میں پہنچ جاتا ہے جہاں اتنا عیش آرام ہے

کہ اس کا بیان بھی مشکل ہے۔ ان کے سپہ سالار سونے اور چاندی کے زیورات استعمال کرتے تھے اور کمبل جیسے کپڑے کا بنا ہوا جوتا پہنتے تھے۔ یہ کپڑے دو انچ موٹے ہوتے تھے اور تیروں سے کافی حفاظت کرتے تھے۔ عام سپاہی جنگ کے میدان میں جانے سے پہلے جنگی نقش و نگار اپنے چہرے پر مل لیا کرتے تھے اور یہ کبھی تیروں سے جن کے سر ہڈی یا پتھر کے ہوتے تھے، کبھی لکڑی کے نیزوں سے جن کے سر کانسے کی دھات کے بنے ہوتے تھے اور کبھی لکڑی کے مکدر سے جن کے سروں پر تراشے ہوئے پتھروں کی دو نوکیلی قطار ہوتی تھیں، جنگ لڑا کرتے تھے۔

1518 میں کیوبا کے ہسپانوی گورنر ڈیگو ویلز کیوز ڈی کویلر Diego Velázquez de Cuéllar نے ایک نوجوان ہسپانوی سپہ سالار ہرنن کورٹیز Hernán Cortés کو میکسیکو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ اپنے ساتھ 18 گھوڑے، چند توپیں اور چھ سو سے سات سو کے درمیان سپاہیوں کی ایک فوج لے گیا۔ ہزاروں وحشیوں کے خلاف اتنی چھوٹی سی فوج کو وہاں کافی سمجھا جاتا تھا اور وہاں کسی منظّم نسل کے لوگوں کے وجود کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

کورٹیز سات جہازوں کے ایک قافلہ کے ساتھ نومبر 1518 میں لنگر انداز ہوا اور کئی ابتدائی مہموں کے بعد اس نے ساحلی سرزمین پر ایک بندرگاہ قائم کی جس کا نام ویرا کروز Veracruz رکھا۔ سپاہیوں کو آر پار کی جنگ پر مجبور کرنے کے خیال سے اس نے تمام جہازوں کو تباہ کر دیا۔ ظاہر ہے اس کے بعد اس کے سپاہیوں نے یہ جان لیا کہ اب یا تو دشمن کو ختم کر دینا ہے پھر خود مر جانا ہے۔

وہاں کے اصلی باشندے موت سے نہیں ڈرتے تھے مگر توپ اور بندوقوں کے سامنے زیادہ دن نہیں ٹھہر پائے۔ 1521 میں ان کی راجدھانی میکسیکو کو کورٹیز نے فتح کر لیا اور پھر جلد ہی پورا ملک ان کے قبضے میں آ گیا۔

کورٹیز نے حکم دیا کہ پرانے شہر کے کھنڈروں پر نئے شہر کی تعمیر اور قلعہ بندی کی جائے۔ لیکن پھر حالات ناساز گار ہونے لگے اور اسے توپوں اور بارود کی سخت قلت محسوس ہونے لگی۔ گورنر ویلز کویز اس

ہسپانوی گورنر ڈیگو ویلز کیوز ڈی کویلر

کی فتوحات سے حسد کرنے لگا اور اس کا سخت مخالف ہو گیا۔ ہسپانیوں کی غلام آبادیوں کے محکمے کا افسرِ اعلیٰ بھی جو اِن مہموں کا ذمہ دار تھا مخالفت کرنے لگا۔ ان دو طاقتور انسانوں نے اس طرح کی سازش کی کہ کورٹیز کو خاص طور سے توپوں اور بارود کی کمی پڑ گئی۔

کورٹیز ان حرکتوں سے بہت ناراض تھا لیکن اس نے فتح کا پکّا ارادہ کر لیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر اسے توپ اور بارود اسپین سے نہیں مل سکتے تو وہ میکسیکو میں ہی اس کا انتظام کرے گا۔ لیکن یہ کام بڑے جوکھم کا تھا۔ نئی دنیا میں بارود بنانے کے بارے میں ابھی سوچا بھی نہیں گیا تھا اور لوہا جس سے یورپ کے لوگ توپ اور اس کے گولے بھی بناتے تھے اس وقت تک میکسیکو میں پایا ہی نہیں جاتا تھا۔

کورٹیز نے حوصلہ نہیں چھوڑا اور سوچنے لگا کہ توپ بنانے کے لیے لوہے کی جگہ کیا چیز استعمال ہو سکتی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں کے اصلی باشندے کانسے سے کچھ اشیا بناتے ہیں اور کانسا تانبے اور رانگے سے بنتا ہے۔ میکسیکو میں تانبے کی کثیر مقدار موجود تھی چنانچہ رانگا

سپاہیوں کو آر پار کی جنگ پر مجبور کرنے کے خیال سے اس نے تمام جہازوں کو تباہ کر دیا

قدرتی طور سے اس ملک میں پایا جانا چاہئے۔ دیسی باشندے نہ صرف اس سے تھوڑی مقدار میں کانسا بناتے تھے بلکہ اپنے ٹی (T) نما سکے بھی رانگے کی چادروں کو کاٹ کر بناتے تھے۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس دھات کی کثیر مقدار ایک ضلع ٹاسکو میں ہے۔ وہاں اس نے رانگے کی کانیں کھودیں اور رانگے کی ڈھلائی کا کارخانہ میں قائم کیا۔ تانبے اور رانگے کو ملا کر پگھلایا گیا جس سے پگھلا ہوا کانسا ملا اور اسے سانچوں میں ڈھال دیا گیا۔ اس طرح ڈھلائی کے کارخانے میں کل تیس توپیں بنائی گئیں اور یہ سوچ کر کہ اس کے پاس پہلے کی توپیں موجود ہیں۔ توپ کے گولوں کے لیے وہ زیادہ متفکر نہیں تھا کیونکہ اور ملکوں کی مانند ہسپانوی جو عموماً لوہے کے گولے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی پتھر کے گولے بھی استعمال کر لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لوہے کی غیر موجودگی میں وہ پتھر استعمال کر سکتے تھے اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس علاقے میں پائے جانے والے خام پتھروں کو توڑ کر کافی تعداد میں پتھر کے گولے تیار کیے جائیں۔ اب صرف بارود کی ضرورت تھی۔

بارود بنانے میں لکڑی کا کوئلہ، گندھک اور ایک سفید چیز جسے شورا کہتے ہیں استعمال ہوتا ہے۔ جب اس سفوف یا پاؤڈر میں آگ لگاتے ہیں تو چارکول اور گندھک شورے سے ملنے والی آکسیجن میں جلتے ہیں اور آناً فاناً بڑی مقدار میں گیسیں پیدا ہوتی ہیں۔ گیس کی یہ مقدار جب توپ کی نال کی محدود جگہ میں پیدا ہوتی ہے تو کافی طاقت سے باہر نکلتی ہے اور توپ کے منہ میں رکھے گولے کو کافی دور پھینک دیتی ہے۔

اس زمانے میں لکڑی کا کوئلہ بنانے کا طریقہ یا تو خود کوارٹیز کو معلوم تھا یا اس کے کسی آدمی کو۔ موٹی لکڑیوں کے تیس لمبے ٹکڑوں سے ایک مثلث یا تکون بنالیا جاتا تھا اور اسے جنگل میں کسی صاف ہموار زمین پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اب ایک لمبا بانس مثلث کے بالکل بیچوں بیچ زمین میں بالکل سیدھا گاڑ دیتے تھے۔ لکڑی کے ویسے لٹھے جن سے شاخیں وغیرہ کاٹ کر الگ کر لی گئی ہوں مثلث پر رکھ رکھ کر بلی کے چاروں طرف ڈھیر لگا دیا جاتا تھا۔ پھر اس پورے ڈھیر کو مٹی سے ڈھک دیتے تھے۔ ڈھیر کے نچلے حصے میں ایک لکڑی جلا کر ڈال دی جاتی تھی۔ لکڑی کے کچھ لٹھے جل جاتے تھے اور دوسری لکڑیوں کو بھی جلا دیتے تھے۔ چونکہ ڈھیر مٹی سے ڈھکا ہوتا تھا اس لیے اندر ہوا کا

آسانی سے گزر نہیں ہوتا تھا اور یوں زیادہ تر لکڑیاں مکمل طور پر جل نہیں پاتی تھیں بلکہ صرف اندرونی طور پر جل کر چارکول بنا دیتی تھیں۔

اس طرح کورٹیز نے چارکول کی خاصی مقدار تیار کر لی۔ شورا قدرتی طور سے گرم ممالک میں ملتا ہے۔ یہ یا تو مٹی کے اوپر ایک پتلی تہ کی شکل میں موجود رہتا ہے یا سطحی مٹی میں ملا ہوتا ہے۔ جب مٹی اور شورے کے مخلوط کو پانی میں ڈالتے ہیں تو شورا پانی میں گھل کر ایک محلول بناتا ہے جسے دوبارہ شورا بن جاتا ہے۔ میکسیکو شہر کے قریب زمین میں اور بہت سے غاروں میں شورے کی خاصی تعداد موجود تھی۔

کورٹیز کے گندھک حاصل کرنے کی ایک بہت دلچسپ کہانی ہے۔ بارود کی قلت کی وجہ سے وہ اور اس کے سپاہی سفر کرتے ہوئے ایک بہت اونچے پہاڑ کے قریب سے گزرے جس کا نام پوپوکیٹیپٹ Popocatepetl تھا۔ اس کے معنی ہیں وہ پہاڑ جو دھواں دیتا ہو۔ یعنی آتش فشاں پہاڑ جسے جوالا مکھی بھی کہتے ہیں۔ وہاں کے باشندے اسے بڑی عزت واحترام اور خوف سے دیکھتے تھے۔ اس کے بارے میں کئی روایتیں مشہور تھیں۔ کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہاں ظالم اور بدمعاش حکمرانوں کی روحیں رہتی ہیں۔ جو روحانی تکلیف سے زور زور چلاتے ہیں اور کچھ لوگوں کے خیال میں یہ دیوتاؤں کی رہائش گاہ تھا۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہاں کے لوگوں نے ڈر کی وجہ سے اس پُر اسرار اور ہیبت ناک پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

جب 1519 میں کورٹیز پہلی بار اس آتش فشاں پہاڑ کے قریب سے گزرا تو اس وقت یہ زندہ حالت میں تھا یعنی غضبناک انداز میں آگ، لاوا اور دھواں اگل رہا تھا۔ ہسپانوی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہاں کے باشندے پہاڑ پر چڑھنے کی کبھی ہمت نہیں کریں گے اس لیے دیسی باشندوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ وہ ان سے اعلیٰ نسل کے ہیں ان کے ایک کپتان اور دو آدمیوں نے اس کام کو کرنے کا تہیہ کیا۔ کچھ دیسی باشندوں کو اس کے لیے تیار کیا گیا کہ وہ ساتھ چلیں لیکن وہ پہاڑ پر ایک خاص مقام سے آگے جانے کو تیار نہیں ہوئے۔ روایت کے مطابق یہ جگہ رہائش گاہ میں دیوتاؤں کے داخل ہونے کا مقام تھا۔

نوجوان ہسپانوی سپہ سالار ہرنن کورٹیز

ان دیسی باشندوں کے خوف کی انتہا نہ رہی جب ہسپانوی دیوتاؤں کے مسکن میں داخل ہو کر اوپر پہاڑ پر چڑھنے گئے۔ لیکن انھیں بھی چوٹی پر پہنچنے سے قبل ہی رک جانا پڑا کیونکہ چوٹی برف سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی اس لیے آگے جانا تقریباً ناممکن تھا۔ لیکن سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ آتش فشاں پہاڑ مستقل لاوا اور دھواں اگل رہا تھا جن سے گندھک کی بو آرہی تھی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ صرف برف اور اولے کے چند ٹکڑے لے کر لوٹ آئے۔ کورٹیز کے لفظوں میں ''ان ٹکڑوں کی شکل وشباہت نے ہم لوگوں کو بہت حیران کیا کیونکہ اس ملک کو خطِ استوا کے قریب ہونے کی وجہ سے بہت گرم ہونا چاہیے تھا۔''

خطِ استوا Equator زمینی گولے کے بیچوں بیچ کی وہ فرضی لکیر ہے جو قطب شمالی اور قطب جنوبی سے برابر کے فاصلے پر کھینچی جاتی ہے اور اس لکیر کے علاقے سورج کی کرنیں سیدھی پڑنے سے گرم رہتے ہیں۔ لیکن کورٹیز کو یہ نہیں پتہ تھا کہ خطِ استوا پر کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں بلندی کی وجہ سے برف جم جاتی ہے۔

1521 میں کورٹیز کو یاد آیا کہ اس مہم کے دوران دھوئیں میں

میکسیکو کا برف پوش آتش فشاں پہاڑ پوپوکیٹپیٹ

گندھک کی بو تھی اس لیے پہاڑ میں گندھک ضرور ہوگی لیکن اس نے سوچا کہ ایسی جگہ سے گندھک لانا ایک خطرناک کام ہوگا۔ پھر بھی وہ جانتا تھا کہ اس کی فوج میں کچھ باہمت نوجوان ہیں۔

پس ایسی حالت میں جبکہ بارود کی قلت کی وجہ سے مایوسی چھائی ہوئی تھی اور جس پر اس کی فوج کی طاقت کا دارومدار تھا وہ فرانسکو مونٹینو کی قیادت میں پانچ آدمیوں کو پہاڑ پر بھیجنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچایا۔

اس بار آتش فشاں ٹھنڈا تھا اس لیے لاوے اور دھوئیں سے سابقہ نہیں پڑا۔ بڑی کوشش سے وہ چوٹی پر آتش فشاں کے دہانے تک پہنچ گئے۔ ان کے سامنے ایک بڑا کھلا غار تھا جس کا دہانہ بے ڈھب سا تھا۔ اس کی چوڑائی ایک ہزار اور دو ہزار فٹ کے درمیان تھی۔ انھوں نے جھانک کر دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اندر گہرائی 8 سو اور ہزار فٹ کے درمیان ہے۔ غار کی نچلی سطح پر تیز گرم ہوا چل رہی تھی جس سے گندھک کی بھاپ اوپر کی جانب اٹھ رہی تھی۔ یہ بھاپ اوپر آنے کے بعد ٹھنڈی ہو کر غار کی پتھریلی دیواروں پر ٹھوس گندھک کی شکل میں جم جاتی تھی۔ انھیں امید تھی کہ غار کے منہ پر گندھک ملے گی لیکن انھیں مایوسی ہوئی۔ غار میں خاصی گہرائی کے بعد کافی گندھک موجود تھی جسے انھوں نے اوپر لانے کا فیصلہ کیا۔

غار میں جانا بڑا خطرناک تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوا کہ غار کے اندر کون اترے گا۔ قرعہ خود ٹیم کے لیڈر کے حق میں نکلا۔ وہ اپنے ساتھ ٹوکریاں لائے تھے جن میں گندھک بھر کر کورٹیز کو پہنچانا تھا۔ ان ٹوکریوں میں سے ایک کو غار کے کنارے پر لایا گیا اور فرانسکو مونٹینو کو اس میں بٹھا کر آہستہ آہستہ غار کے اندر اتارا۔ جب ٹوکری تقریباً سو فٹ گہرائی میں پہنچ گئی تب مونٹینو نے جلدی جلدی غار کی دیواروں سے گندھک کھرچ لی اور ٹوکری کو بھر لیا۔ پھر اسے ٹوکری سمیت اوپر کھینچ لیا گیا۔ اس طرح وہ سات بار ٹوکری میں بیٹھ کر نیچے اترا اور گندھک بھر لایا۔ آخر کار جب تین سو پاؤنڈ گندھک جمع ہوگئی تب پانچوں پہاڑ سے اتر کر شہر لوٹ آئے۔ ان کے پاس اتنی گندھک ہوگئی تھی کہ اس سے بارود کے پچاس پیپے بھر سکتے تھے جو کافی عرصے کے لیے کافی تھے۔

کورٹیز نے اس طرح ہتھیار وغیرہ جمع کر کے کام کیا۔ ان ذرائع سے اس نے تمام دقتوں پر قابو پالیا اور جن دشمنوں نے حسد کی وجہ سے اس کے راستوں میں رکاوٹیں ڈالی تھیں، ان پر بھی فتح پالی۔ کورٹیز نے بادشاہ کو یہ اطلاع کرتے ہوئے کہ اس نے کس طرح بارود حاصل کیا، طنزیہ انداز میں یہ لکھا کہ ''مجموعی طور سے اگر اسپین سے بارود کی درآمد کی جائے تو جنگ لڑنے کے مقابلہ میں کم پریشانی کن ہوگی۔'' بعد میں اسے شاہی خطابوں سے بھی نوازا گیا۔

نظم

فضل اللہ رومی

# گرمی آئی گرمی آئی

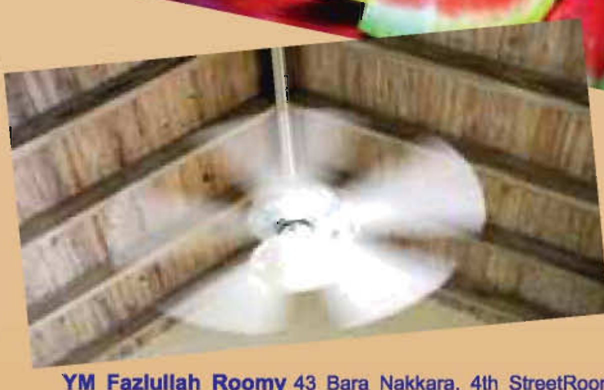

سردی بھاگی گرمی آئی
منّی ٹھنڈا پانی لائی

اک اک پل ہے سب پر بھاری
سورج پر ہے غصّہ طاری

امّی ابّا کولر لائے
انّو منّو دوڑے آئے

گرمی نے تربوز دیے ہیں
اور میٹھے خربوز دیے ہیں

گرمی کے دن ہوتے نہیں تو
آم انگور نہ ملتے ہم کو

سنترہ آیا پیلا پیلا
ککڑی ، گنّا خوب رسیلا

قلفی والا چوک میں آیا
شربت والا شربت لایا

سوکھ گئے ہیں ندیاں نالے
کیسے کوئی ان میں نہا لے

دھوپ سے رومی ہونے لگے تر
پنکھے گھومیں فرفرفرفر

**YM Fazlullah Roomy** 43 Bara Nakkara, 4th StreetRoomy Manzil Flower Garden, Ambur-635802 Tamil Nadu

دنیا کی اہم شخصیت

❑ منی بھوشن کمار

# دنیا کا سب سے بڑا فلم ایکٹر

# چارلی چیپلن

چارلس چیپلن عرف چارلی چیپلن اس زمانے میں فلموں میں آیا جب فلمیں خاموش ہوا کرتی تھیں - چارلی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے خاموشی کو ہی فلم کی زبان بنا دیا۔ایک ایسی زبان جو ساری دنیا میں سمجھی اور پسند کی گئی۔عام انسان کے دکھ درد کو چارلی مسکراہٹوں اور قہقہوں میں ایسے سمو دیتا تھا کہ لوگ ہنستے ہنستے رونے اور روتے روتے ہنسنے لگتے تھے۔ فلم گولڈ رش میں بھوک مٹانے کے لیے جوتا ابال کر کھانے کا سین ہویا ماڈرن ٹائمس میں مزدور کو زبردستی مشین سے کھانا کھلوانے کا منظر،گریٹ ڈکٹیٹر میں زمین کے گول ایٹلس کو فٹ بال کی طرح ٹھوکریں مار کر ہوا میں اچھالنے کا شاٹ ہو یا پھردی سرکس میں رسّے پر چلتے ہوئے چارلی کے سر اور ڈنڈے پر بندروں کا چڑھ جانا اور خوف زدہ چارلی کی اپنے بیلنس کو قائم رکھنے کی کوششیں ہوں،یہ فلم کی دنیا کے وہ منظر ہیں جنھیں کبھی نہیں بھلایا جا سکتا سب کچھ دیکھنے میں ہنسی مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا ٹھہر کر غور کریں تو چارلی کی فلم کے ہر منظر میں ہنسی مذاق کے پیچھے زندگی کی سچّائیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔ چارلی چیپلن کی جن فلموں کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا وہ اگر آپ نے نہ دیکھی ہوں تو کسی بھی طرح انھیں ایک بار ضرور دیکھیے کیونکہ یہ فلمیں ہنسی ہنسی میں ہی زندگی کے کئی سنجیدہ سبق پڑھا دیتی ہیں۔ ادارہ

**پیارے بچو**، کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے کام کی عظمت اور معیار کے طور پر دنیا بھر میں جانی جاتی ہیں۔ فلموں کی دنیا میں چارلی چیپلن ایک ایسی ہی ہستی کے طور آج تک یاد اور پسند کیے جاتے ہیں۔ پچھلی صدی سے اب تک یہ عظیم اداکار فلموں کا سب سے پسندیدہ مزاحیہ اداکار مانا جاتا ہے۔ نقل اتارنے کے فن میں اس نے کامیابی اور شہرت میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کو گزرے ہوئے 35 سال سے زیادہ ہو چکے، اس کے باوجود جب بھی مزاحیہ اداکاری کی بات آتی ہے تو لوگ بے ساختہ چارلی کو اپنے دلوں کے قریب محسوس کرنے لگتے ہیں۔ دنیا بھر میں نہ جانے کتنے اداکاروں نے چارلی کی نقل اتارنے کی کوشش کی، اسے حصولِ معاش کا ذریعہ بنایا لیکن کوئی بھی چارلی نہیں بن سکا۔

جب چارلی خوب دولت وشہرت جمع کر کے پہلی دفعہ اپنے آبائی شہر لندن آیا تو تین روز میں اسے 73 ہزار خط ملے۔ ان خطوط میں تقریباً سات سو نے اس کے ساتھ اپنا خاندانی رشتہ جتایا۔ 9 عورتوں نے چارلی کی ماں ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ماں تو بچے کو جنم دیتی ہی ہے مگر کامیابی کے سبب مائیں بھی جنم لیتی ہیں، یہ بات چارلی کو اُس وقت ضرور سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ اور یہ بھی کہ اس شہر میں اس کے دو چار نہیں سات سو سے زیادہ رشتے دار موجود ہیں۔ اب سوچیے ایک شہر میں چارلی کے اتنے رشتے دار تھے تو دنیا بھر میں کتنے ہوں گے؟ یہی چارلی کی عظمت کا راز ہے کہ اس نے ساری دنیا سے اپنے آپ کو جوڑ لیا تھا۔

▶ چارلی چیپلن کی نوعمری کی ایک یادگار تصویر

16 اپریل 1889 کو چارلی چیپلن کا جنم لندن میں ہوا تھا۔ اس کا پورا نام چارلس اسپینسر چیپلن Charles Spencer Chaplin تھا۔ انگریزوں میں عام طور پر چارلس کو چارلی کی مختصر عرفیت سے پکارنے کا رواج ہے اس لیے بعد میں چارلس اسپینسر چیپلن، چارلی چیپلن کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے والد تھے چارلس چیپلن اور والدہ کا نام ہنّا چیپلن Hannah Chaplin تھا۔ چارلی کا ایک سوتیلا بھائی بھی تھا جس کا نام تھا سِڈنی جان ہل Sydney John Hill مگر بعد میں اس نے بھی چیپلن کا خاندانی نام اپنے نام کے ساتھ جوڑ

▲ بیسویں صدی کی دو بڑی ہستیاں: آزادی کی تحریک کے دوران جب مہاتما گاندھی انگریز حکومت سے بات چیت کے لیے لندن گئے تو 22 ستمبر 1931 کو انھوں نے چارلی چپلن سے بھی ملاقات کی

لیا۔ چارلی کے والدین لندن کی ایک تفریح گاہ Concert Hall میں گانے کا کام کرتے تھے۔ یوں آمدنی زیادہ نہ تھی مگر زندگی آرام سے گزر رہی تھی۔ اسی دوران چارلی کے والد ایک ڈراما کمپنی کے ساتھ امریکہ کے دورے پر گئے۔ اِدھر ہنا کو ایک نیا دوست ڈرائڈن مل گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد ہنا نے ڈرائڈن کے بچّے کو جنم دیا۔ بچّے کے جنم کے ساتھ ہی ڈرائڈن ، ہنا کی زندگی سے غائب ہو گیا۔ دوسری جانب چارلس سے بھی اُس کے تعلقات ختم ہو گئے۔ اسی اثنا میں یکا یک ایک روز ڈرائڈن اپنے بچّے کو لے کر چلتا بنا۔ ہنا کی مالی حالت بدتر ہوتی گئی۔ اس کے کندھوں پر سِڈنی اور چارلی کی کفالت کی ذمہ داری از خود آ گئی۔ زندگی گزارنے کے لیے اُس نے نرس کا کام کیا۔ کپڑے سی کر بھی کچھ پیسے جُٹائے۔ مشکلات کو دور کرنے کی خاطر اُس نے دوبارہ تفریح گھر کا رخ کیا۔ مگر اُس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ ہنا نے گانے کی جی توڑ کوشش کی لیکن تماشائیوں نے ہنگامہ کرکے اسے اسٹیج سے بھگا دیا۔ تماش بینوں کی تفریح کے لیے ہنا کی جگہ پر چارلی کو اسٹیج پر لایا گیا۔ ابھی گیت کے ایک دو مصرعے ہی مکمل ہوئے تھے کہ ناظرین خوش ہو کر اسٹیج پر پیسے پھینک نے لگے۔ وہ گاتے ہوئے رُک کر بولا، ''پہلے پیسے اُٹھا لوں، پھر گاؤں گا۔'' سارا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔ اُس نے دوبارہ گانا شروع کیا اور اپنی ماں کی پوری بے سُری آواز کی نقل اُتار دی۔ اسٹیج پر پھر پیسوں کی بارش ہونے لگی۔ پانچ سالہ چارلی کا یہ پہلا اسٹیج شو تھا اور اُس کی ماں کا آخری!

آہستہ آہستہ ہنا کو اپنی ضرورت کا سبھی سامان فروخت کرنا پڑا۔

اُس کی زندگی بے حد تکلیف دہ اور رحم کے قابل تھی۔ وہ اپنے بچّوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش میں لگی رہتی۔ چارلی اور سِڈنی کو خوش رکھنے کے لیے وہ بائبل کی کہانیاں اِس انداز میں سناتی کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو نِکل آتے۔ وہ طرح طرح کے قصے گڑھ کر انھیں سناتی۔ اس سے الگ نیچے سڑک پر جو کچھ نظر آتا، اُس کی نقل کر کے بچوں کا دل بہلاتی۔

بچپن کی اِن تصویروں اور تجربوں کو چارلی نے دل نشیں کر لیا۔ ناچنے اور گانے کی تعلیم اُس کی گھٹی میں شامل تھی۔ کھیلنے کی عمر میں اُس نے کھلونے بیچے اور ہنسنے کی عمر میں ناظرین کا دل بہلایا۔ اُس نے رونا نہیں سیکھا تھا۔ گویا اِس بچّے نے رونے کا اپنا پیدائشی حق بھی کھو دیا ہو۔ چارلی کے لیے لندن کی یہ یادیں تکلیف دہ رہیں۔ اُس کا گھر ہمیشہ بدلتا رہا۔ نیا گھر لازماً پچھلے مکان کے مقابلے خستہ حال ہوتا۔ غریبی سے ٹوٹ کر چارلی کی ماں بینا پاگل ہوگئی۔

چارلی کے والد چارلس چیپلن بھلے ہی ایک اچھے باپ نہ رہے ہوں مگر اپنے لڑکے چارلی کے لیے وہ کچھ کر سکتے تھے اور انھوں نے کیا بھی۔ ان کے کہنے پر ولیم جیکسن نام کے ایک صاحب 'لنکا شایَر لیڈس' Lancashire Lads نام کی اپنی بچوں کی ٹولی میں چارلی کو رکھنے پر راضی ہوگئے۔ اُس وقت اِس ٹولی کو

اسٹیج پر بے حد کامیابی مل رہی تھی۔ اداکاری کے میدان میں چارلی نے کامیابی کے ساتھ قدم رکھے۔ مگر دو سال بعد ہی اس ٹولی میں چارلی چیپلن کی میعاد پوری ہوگئی۔ ایسا لگا کہ اسٹیج کی جادونگری میں رہنے کے دن ختم ہوگئے۔ اس کے بعد پھر وہی پہلے جیسے حالات۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی چارلی نے ایک نئی زندگی شروع کی۔ چارلی کے بھائی سِڈنی نے جو خود بھی ایک اداکار تھا، چارلی کو فرِیڈ کارنو سے ملوایا جو ایک کامیاب اور اُبھرتا ہوا اداکار تھا۔ کارنو نے چارلی کی صلاحیتوں کو پہچانا اور اُسے اپنی ٹیم میں شامل کرلیا 1910 میں یہ ٹیم امریکہ دورے پر گئی جہاں چارلی کو بے حد و بے شمار کامیابی ملی۔

وہ خاموش فلموں کا دور تھا۔ امریکہ میں 1914 میں اُس کی پہلی فلم سامنے آئی جو 45 منٹ کی تھی۔ فلم کا نام تھا میکنگ اے لِونگ Making A Living جسے لوگوں نے کافی پسند کیا۔ اس کے بعد تو وہ کامیابی اور شہرت کی شاہراہ پر چل پڑا۔ چارلی کی آئندہ کی تمام فلمیں یادگار رہیں۔ اداکاری Acting کے علاوہ ہدایت کاری Direction اور اسکرپٹ لکھنے میں بھی اُس نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ دی لِٹل ٹریمپ Little Tramp، دی کِڈ The Kid، دی گولڈ رش The Gold Rush، دی چیمپین The Champion، شولڈر آرمس Shoulder Arms، دی اِمی گرانٹ The Immigrant وغیرہ چارلی کی مشہور 'خاموش فلمیں' ہیں۔ خاموش فلموں کے تعلق سے یہ بتانا ضروری ہے کہ شروع میں فلموں میں صرف تصویریں دکھائی جاتی تھیں۔ ان کے ساتھ آواز ریکارڈ کرنے کا طریقہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ 1920 میں جب بولتی فلموں کی ایجاد ہوئی تو چارلی نے سٹی لائٹس City Lights، ماڈرن ٹائمس Modern Times، دی گریٹ ڈکٹیٹر The Great Dictator، موسیئے ویردو Monsieur Verdoux، لائم لائٹ Limelight جیسی کئی ناقابل فراموش فلمیں بنائیں۔

1918 میں چارلی چیپلن کی شادی ملڈریڈ ہیرس سے ہوئی۔ مگر دو سال بعد ہی وہ دونوں قانونی طور پر الگ ہوگئے۔ سیاست، صحافت اور عورت، ان تینوں نے اُسے بے حد بدنام کیا۔ فلمی دنیا میں اس قدر بے عزتی شاید ہی کسی کی ہوئی ہو۔ صحافی بھی طرح طرح کے بے تکے سوال پوچھتے رہتے تھے۔ 1943 میں چارلی کی چوتھی شادی اونا سے ہوئی جو اُس کے آخری دنوں تک چلی۔

امریکہ میں چارلی پر کمیونسٹ ہونے کا الزام بھی لگایا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امریکی حکومت کے حامی اپنے مخالفین کو کمیونسٹ بتا کر بدنام کیا کرتے تھے۔ چارلی کو اشتمالیت پسند یا کمیونسٹ کہے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے دوسری جنگِ عظیم میں دنیا کے پہلے کمیونسٹ ملک سوویت روس کے لیے فوجی امداد جُٹانے کی کوشش کی تھی۔ اُس وقت تک امریکہ اس جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ چارلی نے واضح لفظوں میں کہا ''میں اشتمالیت پسند نہیں انسانیت پسند ہوں۔'' اشتمالیت پسند یا کمیونسٹ اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو عظیم مفکر اور فلسفی کارل مارکس کے نظریات کے حامی ہوتے ہیں اور کمیونسٹ ہونا کوئی اخلاقی یا قانونی جرم نہیں ہے کیونکہ انسانی ساج میں برابری اس نظریے کی بنیاد ہے۔

بہر حال امریکہ میں چارلی کے تعلق سے ہوئے اِس ہنگامہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلم لائم لائٹ کے پریمیر کے لیے لندن جانے کے بعد امریکہ میں چارلی کا دوبارہ داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی۔

چارلی کو کئی انعامات ملے۔ 1962 میں آکسفرڈ اور ڈرہم یونی ورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے اُسے نوازا جب کہ غریب چارلی بچپن میں ابتدائی تعلیم بھی ٹھیک سے حاصل نہیں کر سکا تھا۔ 1972 میں امریکہ نے اُسے دوبارہ گلے لگالیا۔ نیویارک میں اُس کا بے مثل استقبال ہوا۔ اُسے وینس فلم فیسٹیول Venice Film Festival کا 'گولڈن لائن' خطاب دیا گیا۔ 1975 میں ملکہ الزبیتھ ثانی نے اُسے نائٹ کے خطاب سے نوازا۔ اب وہ سر چارلس سپنسر چیپلن بن گیا تھا۔ 88 سال کی عمر میں 25 دسمبر 1977 کو چارلی چیپلن کی موت ہوگئی۔

▼ چارلی چیپلن کی بڑھاپے کی ایک تصویر

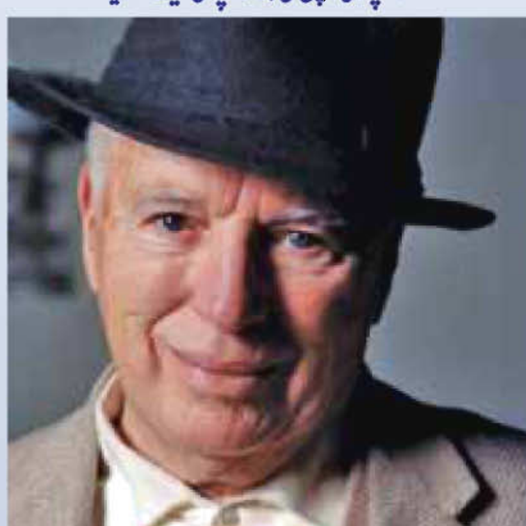

چارلی کی ہر دل عزیزی کا یہ عالم تھا کہ اُس کی موت کے بعد 2 مارچ 1978 کو اُس کی لاش قبر کھود کر چُرا لی گئی۔ ایسی دیوانگی شاید ہی کسی اور کے لیے دیکھنے کو ملے۔ کافی کوششوں کے بعد 17 مئی 1978 کو چارلی چیپلن کی لاش کو کھوج کر دوبارہ دفنایا گیا۔

چارلی نے اپنے سر پر ہیٹ، چہرے پر چھوٹی چھوٹی مونچھیں اور چھڑی کے ساتھ ایک دل کش انداز دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آج تک فلمی دنیا میں اُس کے جیسا دوسرا کوئی نہیں ہوا۔ ایک دفعہ خود پر طنز کرتے ہوئے اُس نے کہا تھا، ''اپنی نقل کرنے میں چارلی تیسرے نمبر پر آئے گا۔'' ◻

**Mani Bhushan Kumar**
C/O Ravindra Kumar (Art.)V+P- Aunta Distt Patna -80330

کامکس
اسٹوری

# بھولے بھالو کے کارنامے

# بڑے دل والا بھولا بولنے والی چڑیا!

سوں سوں... کاش میں یہ سب چیزیں کھا سکتا
... مگر گفٹ کے بغیر کیسے پارٹی میں جاؤں
بے چارا بھولا ایک بیکری کی طرف جا نکلا
ام مم... کتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے
جنگل ٹاؤن
بیکری
چلو اپنے لیے ایک دو کوکی تو لے ہی سکتا ہوں
5سینٹ کی ایک
بگی کو بسکٹ دو
اوگاڈ، بولنے والی چڑیا!
بگی کو بسکٹ دو
او کے بگی، ایک کوکی تمھارے لیے لوں گا ایک اپنے لیے
کافی بھوک لگ رہی ہو، اتنی جلدی تو میں بھی ایک کوکی نہیں کھا سکتا
میں ان پگلوں کو بھی کتر کر کھا جاؤں
شش، تمھیں ایسا نہیں بولنا چاہیے بگی
؟!!

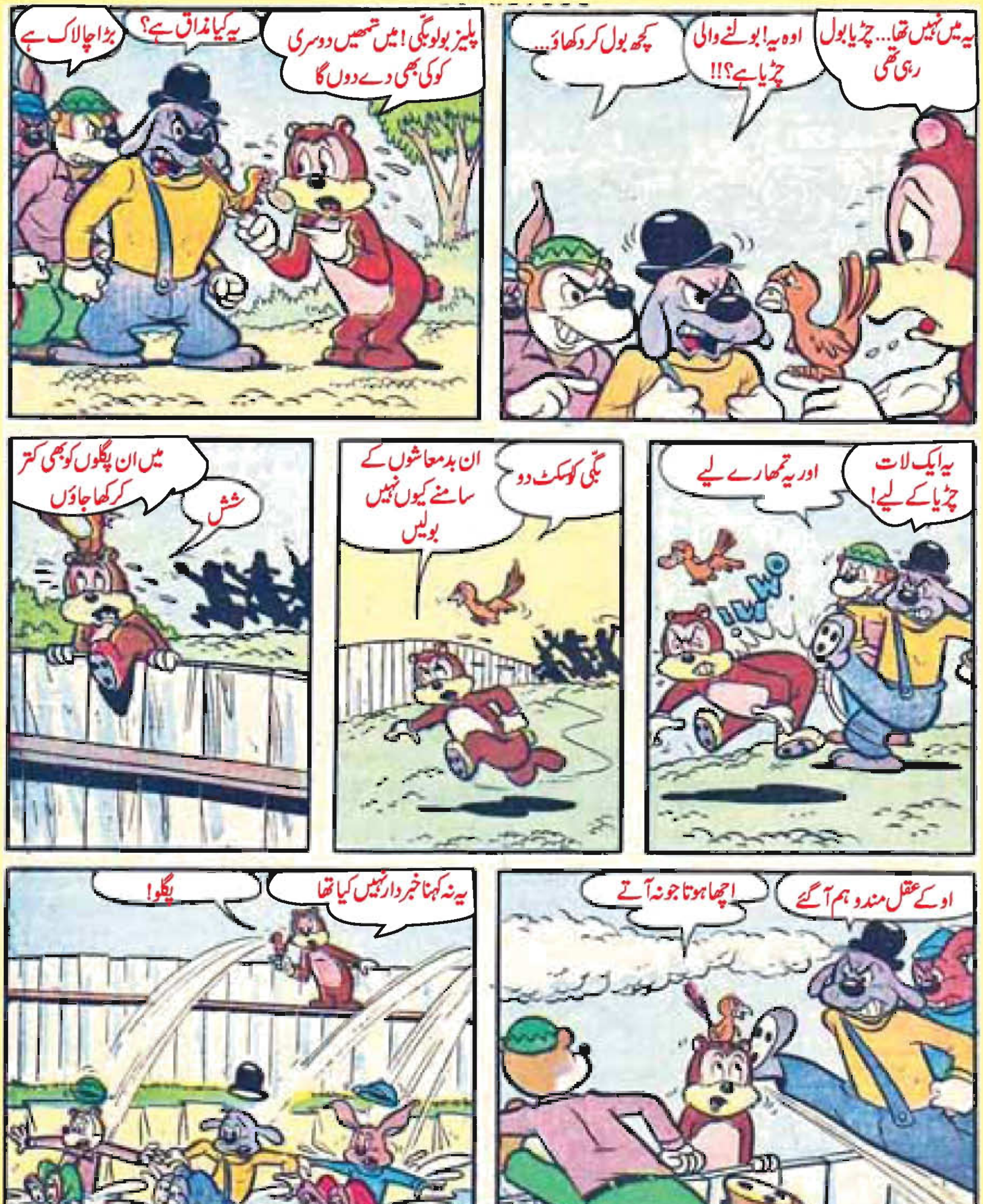
یہ میں نہیں تھا... چڑیا بول رہی تھی
اوہ یہ! بولنے والی چڑیا ہے؟!!
کچھ بول کر دکھاؤ...
پلیز بولو بگّی! میں تمھیں دوسری کوکی بھی دے دوں گا
یہ کیا مذاق ہے؟
بڑا چالاک ہے
یہ ایک لات چڑیا کے لیے!
اور یہ تمھارے لیے
بگّی کو سکٹ دو
ان بدمعاشوں کے سامنے کیوں نہیں بولیں
میں ان پگلوں کو بھی کتر کر کھا جاؤں
شش
WOW
او کے عقل مندو ہم آ گئے
اچھا ہوتا جو نہ آتے
یہ نہ کہنا خبردار نہیں کیا تھا
پگلو!

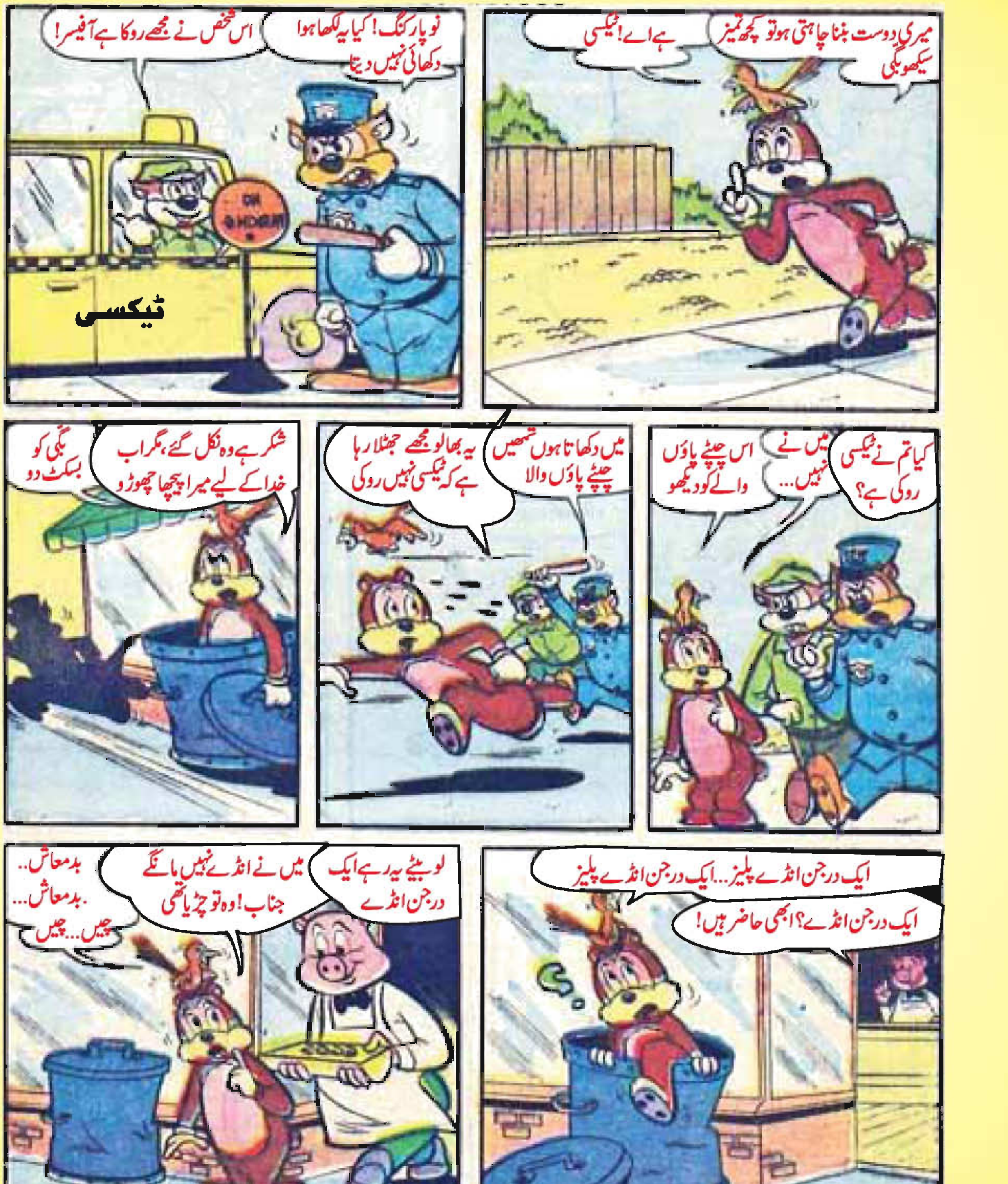
میری دوست بننا چاہتی ہوتو کچھ تمیز سیکھو بگی
ہے اے! ٹیکسی
نو پارکنگ! کیا یہ لکھا ہوا دکھائی نہیں دیتا
اس شخص نے مجھے روکا ہے آفیسر!
ٹیکسی
کیا تم نے ٹیکسی روکی ہے؟
میں نے نہیں...
اس چپٹے پاؤں والے کو دیکھو
میں دکھاتا ہوں تمھیں چپٹے پاؤں والا
یہ بھالو مجھے جھٹلا رہا ہے کہ ٹیکسی نہیں روکی
شکر ہے وہ نکل گئے، مگر اب خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑو
بگی کو بسکٹ دو
ایک درجن انڈے پلیز...ایک درجن انڈے پلیز
ایک درجن انڈے؟ ابھی حاضر ہیں!
لو بیٹے یہ رہے ایک درجن انڈے
میں نے انڈے نہیں مانگے جناب! وہ تو چڑیا تھی
بدمعاش.. .بدمعاش... چیں...چیں

انڈے مانگے تھے تو یہ لو... انڈے ہی لو
بچنے کی فکر کرو احمق... انڈے برس رہے ہیں
اچھی دوست ہو بگی! میں نے تمھیں دونوں کوکی دے دیں مگر تم نے مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیا، اب دفع ہو جاؤ...
آک!
بگی چلی گئی... میں نے آخری دوست بھی کھو دیا
بگی! واپس آجاؤ۔ میں تمھارا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا
ارے، اندر نہ جاؤ بگی...
یہ تو کافی بڑا مکان ہے! کہیں بگی اس میں کھو ہی نہ جائے
ڈنگ ڈانگ
اوہ خاتون، مجھے پتہ نہیں تھا بگی آپ کی ہے! وہ میری دوست ہے اور میں نے اسے کوکیز لے کر دی تھیں
تو تم نے میری بگی کو ڈھونڈا ہے؟

میں اس کے لیے تمھیں انعام دوں گی
دراصل اسی نے مجھے ڈھونڈا، مگر 5 ڈالر سے میں اپنی گرل فرینڈ کے برتھ ڈے کا تحفہ خرید سکتا ہوں!
اگر بگی تمھاری کوکیز کھا گئی ہے تو تمھیں بھوک بھی لگی ہو گی، اس کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ
لایا مادام!
بگی کو کیک چاہیے
بگی تمھیں پسند کرتی ہے بھولے ...آتے رہا کرو
ہوں، یہ مزیدار ہے ابھی دیتا ہوں
بعد میں!
ہپی برتھ ڈے ہنی! لو یہ تحفہ لو
اس کی کیا ضرورت تھی... میں سوچتی تھی تم نہیں آؤ گے
اہا! یہ تو تمھاری تصویر ہے... اس سے اچھا تحفہ نہیں ملا مجھے
میں نے بھی تو تحفہ دیا ہے!
لو تمھارے لیے اتنا سارا کیک بچا کر رکھا ہے ڈارلنگ!
مگر میرا پیٹ پہلے ہی بھرا ہے!
اب زیادہ بنو مت بھولو!
میں اپنا کیک ولی ویزل کو دوں گا
غبّ!
ہی ہی ہی!!
اہاہاہا مزا آ گیا... ہاہاہا!

آنند بخشی

# گزرا زمانہ بچپن کا

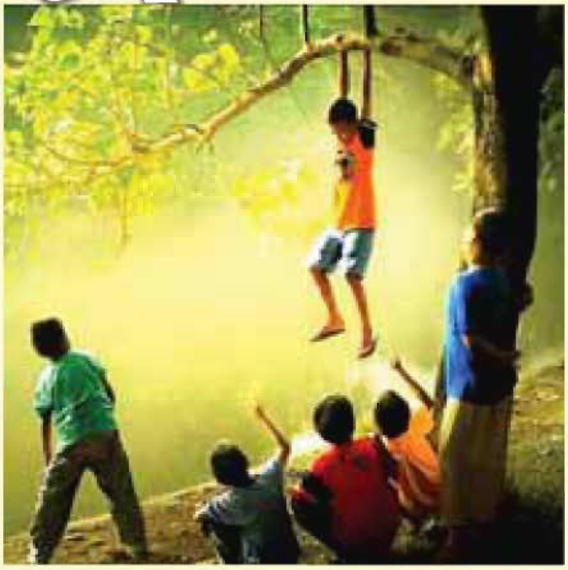

آیا ہے مجھے پھر یاد وہ ظالم گزرا زمانا بچپن کا
ہائے رے اکیلے چھوڑ کے جانا اور نہ آنا بچپن کا

وہ کھیل وہ ساتھی وہ جھولے
وہ دوڑ کے کہنا آ چھولے
ہم آج تلک بھی نا بھولے وہ خواب سہانا بچپن کا

اس کی سب کو پہچان نہیں
یہ دودن کا مہمان نہیں
مشکل ہے بہت آسان نہیں یہ پیار بھلانا بچپن کا

مل کر روئیں فریاد کریں
ان بیتے دنوں کی یاد کریں
اے کاش کہیں مل جائے کوئی جو میت پرانا بچپن کا

آیا ہے مجھے پھر یاد وہ ظالم گزرا زمانا بچپن کا
ہائے رے اکیلے چھوڑ کے جانا اور نہ آنا بچپن کا

ادارہ

# یہ مزے مزے کی حکائتیں...

• آج کل کے لڑکے، آخری بار دیکھے گئے۔۔۔

فیس بک پر: 4 سیکنڈ پہلے

# ٹیکسٹ بک پر: 8 مہینے پہلے

**طلحہ انصر**، مہاراشٹر

• بیماری نے کہا دولت سے، ''تو کتنی خوش نصیب کہ تیرے آنے کی لوگ دعا مانگتے ہیں جب کہ میرے آنے کو برا سمجھتے ہیں۔''

اس پر دولت نے بیماری سے کہا، ''کتنی اچھی ہے تو کہ تیرے آتے ہی لوگ اپنوں کو یاد کرتے ہیں جب کہ میرے آنے پر انھیں بھول جاتے ہیں۔''

**عائشہ تزئین**

• تمھاری گردن پر ایک عجیب سی چیز ہے

پتہ ہے کیا؟

تمھارا چہرہ

**سید طلحہ**، اورنگ آباد

• دوست بنانا اتنا آسان ہے جتنا مٹی پر مٹی سے لکھنا

دوستی نبھانا اتنا مشکل ہے جتنا پانی پر پانی سے لکھنا

• سنتا: اتنے سارے لوگ فٹ بال کو لات کیوں مار رہے ہیں۔

بنتا: ارے بے وقوف فٹ بال کو یہ کھلاڑی گول کرنے کے لیے کِک مارتے ہیں!

سنتا: مگر یہ تو پہلے ہی کافی گول ہے اور کتنی گول کریں گے؟

**ن ف**، امراؤتی، مہاراشٹر

• ایک پاگل سمندر میں دہی ڈال رہا تھا۔ دوسرے پاگل نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا، ''میں لسّی بنا رہا ہوں۔''

دوسرے پاگل نے، ''لوگ اسی لیے تجھے پاگل کہتے ہیں۔ ارے اتنی ساری لسّی پلائے گا کسے؟''

**سعد ملک**، مالیگاؤں

• فضاؤں میں تم

ہواؤں میں تم

دھوپ میں تم

چھاؤں میں تم

دن میں تم

رات میں تم

کسی نے سچ ہی کہا ہے:

بری آتماؤں کا ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا۔

**محمد عمر**، بلال نگر، منگرول پیر

• سنتا نے ایک گڈھا کھودا اور اس میں بیٹھ گیا

بنتا نے پوچھا: یہ کیا کر رہے ہو؟

سنتا نے کہا: ڈیپ تھنکنگ Deep Thinking

• بیوی ایک پولیس والے سے: میرے شوہر 3 دن پہلے گوشت لانے گئے تھے ابھی تک نہیں لوٹے۔

پولیس والا: تو کیا ہوا میڈم، آپ دال پکا لیجیے!

**عفیفہ ناز**، اورنگ آباد

• ''بتاؤں میرے بکرے کو لوگ کیا کہتے ہیں؟''

''بتاؤ''

بتادوں؟''

''ہاں ہاں بتادو!''

''بکرا۔''

حسان، دہلی

• ایک بوڑھا دیہاتی کمپیوٹر کی دکان پر پہنچا۔ دکان دار نے پوچھا: ہارڈ ویئر Hardware چاہیے یا سافٹ ویئر Software؟

دیہاتی بولا: میرے دانت نہیں ہیں۔ سافٹ ویئر ہی دے دو۔

سعادت عثمانی، بلی ماران، دہلی

• ایک چھوٹی سی درد بھری نظم!

دل میں چبھی سوئی

اوئی اوئی اوئی

اوئی اوئی اوئی

نام نہیں لکھا

• ایک بچہ بہت دیر سے رو رہا تھا۔ ماں نے پوچھا: کیا چاہیے؟ ٹافی، بسکٹ یا دودھ؟

بچہ: بس اک صنم چاہیے...

عاشقی کے لیے!

شیخ افروز رحمت اللہ، گوونڈی، ممبئی

• ٹیچر نے کلاس میں ایک اسٹوڈنٹ سے سوال کیا۔ سب سے چھوٹی کار نانو Nano کا دوسرا اور تیسرا ورژن آئے گا تو نام کیا ہوں گے؟ اسٹوڈنٹ نے کہا، سوڈیم نائٹرائٹ اور سوڈیم نائٹریٹ۔ ٹیچر نے پوچھا کہ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ اسٹوڈنٹ نے کہا، اس لیے سر کہ سوڈیم نائٹرائٹ کا فارمولہ ہے $NaNO_2$ اور سوڈیم نائٹریٹ کا $NaNO_3$

متجاب ادگیر ضلع لاتور، مہاراشٹر

• سنتا بنتا کے گھر کی بجلی چلی گئی تو وہ موم بتی جلا کر کام کرنے لگے۔ اتنے میں سنتا بولا: ذرا پنکھا چلا دینا، گرمی لگ رہی ہے۔

بنتا نے کہا: کر دی نہ پاگلوں والی بات۔ ارے پنکھا چلایا تو موم بتی نہیں بجھ جائے گی؟

سید محمد معز، برہان نگر، ناندیڑ

• اختیار، طاقت اور دولت ایسی چیزیں ہیں جن کے ملنے سے لوگ بدلتے نہیں بے نقاب ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ

زویریہ سید، مہاراشٹر

• تیراکی کلب کے ایک تالاب پر لگے نوٹس بورڈ پر لکھا تھا: جیمس نے آج لگاتار دو گھنٹے پانی کے اندر رہنے کا ریکارڈ توڑ دیا۔ تدفین کل صبح ہوگی۔ سبھی ممبروں سے شرکت کی درخواست ہے۔

نام نہیں لکھا

• سنتا، بنتا سے: تم کہاں تک پڑھے ہو؟

بنتا: میں نے MBBF کیا ہے

سنتا: MBBS تو سنا تھا، یہ MBBF کیا ہوتا ہے؟

بنتا: میٹرک میں بار بار فیل!

سمیہ سعادت، اورنگ آباد

• کسی کی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس اس کی موت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ مثلاً، زندہ مرغ 120 روپے اور چکن تندوری 230 روپے!

نام نہیں لکھا

• سنتا: پتہ ہے، میں ٹینس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں!

بنتا: اچھا تو یہ بتا کہ ٹینس کے نیٹ میں کتنے چھید ہوتے ہیں؟

محمد زہبی، ممبرا، مہاراشٹر

• ٹیچر: بتاؤ ایپل Apple اے A سے آتا ہے یا بی B سے؟

اسٹوڈنٹ: ایپل نہ اے سے آتا ہے نہ بی سے۔ وہ پیسے سے آتا ہے!

سارہ پروین، مالیگاؤں

• 1۔ گاندھی جی کو مہاتما کا خطاب پہلی بار رابندر ناتھ ٹیگور نے دیا۔ 2۔ انسان کے بال ایک سال میں 12 سے 13 سینٹی میٹر بڑھتے ہیں۔ 3۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ زلزلے آسام میں آتے ہیں۔ 4۔ ناگا ساکی پر گرائے گئے ایٹم بم کا نام لٹل بوائے تھا۔ 5۔ رقبے میں دنیا کا سب سے بڑا شہر لندن ہے۔ 6۔ زیتون کا درخت 1500 سال زندہ رہ سکتا ہے۔ 7۔ اتوار کی چھٹی 1948 میں منظور ہوئی۔ 8۔ نئی دریافت کے مطابق دنیا کا سب سے خطرناک زہر Botulinum ہے۔ 9۔ ڈسکوری آف انڈیا کتاب پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھی تھی۔ 10۔ Titanic جہاز 15 اپریل 1912 کو ڈوبا تھا

محمد عارف، مدینہ کالونی، ریور، ضلع جل گاؤں

• لڑکی کی شادی میں اس کا ایک کھلاڑی دوست آیا جس سے کبھی رشتے کی بات چلی تھی۔ کسی نے اس سے پوچھا کیا آپ ہی دولہا ہیں؟ لڑکے نے کہا، جی نہیں۔ میں سیمی فائنل ہار گیا تھا۔ فائنل دیکھنے آیا ہوں۔

• دنیا کی سات سچائیاں:

1۔ آپ کی آنکھیں جسم کا وہ حصہ ہیں جسے آپ صابن سے نہیں دھو سکتے

2۔ آپ اپنے بال نہیں گن سکتے

3۔ آپ کی زبان سارے دانتوں کو نہیں چھو سکتی

4۔ صرف بے وقوف لوگ نمبر 3 کو ٹرائی کریں گے

5۔ آپ مسکرار ہے ہیں کیونکہ آپ کی زبان سارے دانت چھو سکتی ہے

6۔ آپ ہنس رہے ہیں کیونکہ آپ بے وقوف بن چکے ہیں

7۔ آپ اسے آگے send کریں گے کیونکہ آپ اکیلے بے وقوف نہیں بننا چاہتے۔

ثنا لطیف قریشی، شہادا

• اپنے دشمن ہزار موقعے دو کہ تمھارا دوست ہو جائے مگر دوست کو ایک بھی موقعہ ایسا نہ دو کہ وہ تمھارا دشمن بن جائے۔

محمد شعیب اختر، جامعہ اکل کوا ضلع نندر بار

• ٹیچر: جو سوال بھی میں پوچھوں اس کا جواب فٹافٹ دینا ہے۔ چنٹو تم بتاؤ ہندوستان کی راجدھانی کا نام کیا ہے؟

چنٹو: فٹافٹ!

بلال احمد، محلہ بلاقی پورہ، ضلع مئو، اتر پردیش

• ایک گانا:

لڑکا: بھولی سی صورت، آنکھوں میں کاجل، دور کھڑی شرمائے،
آئے ہائے...

لڑکی: کالی سی صورت، ہاتھوں میں کیتلی، دور کھڑا چلائے،
چائے چائے چائے...

عارش ملک، پٹنہ

• دستِ محنت سے بنا تو بھی کوئی نقش عظیم
چشمِ حیرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ!
گھرے ہوئے ہیں جو گردش میں ناخلف بچے
بغیر ماں کی دعا کے سنبھل نہیں سکتے

فیض، پچوڑا

• والد: اے بی سی سناؤ

بیٹا: اے بی سی

والد: اور سناؤ...

بیٹا: اور سب ٹھیک ہے۔ آپ سناؤ!

رخشندہ سحر، امراوتی

• ایک شخص: میرے گھر میں میرا حکم چلتا ہے۔ میں کہتا ہوں پانی لے آؤ۔ بیوی فوراً گرم پانی لے آتی ہے

دوست: گرم کیوں؟

شخص: گرم پانی سے برتن اچھے دھلتے ہیں۔

• ایک شخص شادی کے دوسرے دن بیوی کو بری طرح ڈانٹنے لگا۔ لوگوں نے اعتراض کیا اور اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولا، ''اس نے مجھے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے چائے میں تعویذ ڈال کر پلایا ہے!'' لوگوں نے بیوی سے پوچھا تو اس نے کہا، ''وہ تعویذ نہیں ٹی بیگ تھا۔ مگر یہ مانتے ہی نہیں!''

• سوچو، سوچو، سوچو!

1۔ زمین انسان کو رزق دیتی ہے مگر جب انسان مرتا ہے تو خود زمین کا رزق بن جاتا ہے

2۔ پرندہ زندہ ہو تو چیونٹیاں کھاتا ہے۔ مر جائے تو چیونٹیاں اسے کھا جاتی ہیں۔

3۔ ایک درخت ایک لاکھ ماچس کی تیلیاں بنوا دیتا ہے۔ مگر ماچس کی ایک تیلی لاکھوں درخت جلا سکتی ہے!

شیخ مدثر، اورنگ آباد

• دو آدمی بس اسٹاپ پر کھڑے تھے۔ اچانک ایک اور آدمی آیا اور باتوں میں لگا کر ایک کا بٹوا لے اڑا۔ دوسرے آدمی نے اس سے کہا، ''اسے پکڑیے جناب وہ آپ کا بٹوا لے بھاگا ہے۔''

اس پر وہ بولا، ''فکر کی کوئی بات نہیں بٹوے میں صرف کاغذ ہیں اور اس کے گلے کی سونے کی چین میری جیب میں ہے!''

سمیہ مزمل، دھولے

بی بی، رومن اسکرپٹ میں ایس ایم ایس بھیجتی ہو تو میسیج میں اسپیس بھی استعمال کر لیا کرو۔ ون ورڈ میسیج پڑھنے میں جان نکل جاتی ہے۔ آئندہ اسپیس کے بغیر بھیجوگی تو ہم نہیں پڑھیں گے۔

• دکان کے مالک نے نئے نوکر سے پوچھا: منشی نے کام سمجھا دیا ہے؟

نیا نوکر: جی ہاں انھوں نے بتا دیا ہے کہ جب آپ کو آتا دیکھوں تو فوراً ان کو جگا دوں۔

ماریہ افضل، بھیونڈی

• ایک مرغی کی شادی کوّے سے ہوئی تو مرغے نے کہا، ''مجھ میں کیا کمی تھی۔ اسمارٹ ہوں۔ پھر بھی...''

مرغی بولی، ''تمھارا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن ممی ڈیڈی کی خواہش تھی کہ لڑکا ایئر فورس میں ہو!''

• ڈیڈی: کیا ہوا پپّو بیٹے۔ 8 سال کے ہو کر بھی رو رہے ہو۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا۔ مجھے اپنا دوست سمجھو اور کھل کر بتاؤ۔''

پپّو: ''کیا بتاؤں یار۔ میں اپنی والی سے ملنے گیا تھا تو آپ والی نے مجھے دیکھ لیا اور بہت پیٹا!''

• بیوی نے شوہر سے پیسے مانگے تو شوہر نے جھلّا کر کہا، ''جب دیکھو پیسے مانگتی رہتی ہو۔ میرا خیال ہے تمھیں پیسے سے زیادہ عقل کی ضرورت ہے۔''

اس پر بیوی مسکرا کر بولی، ''تم سے وہی چیز تو مانگوں گی جو تمھارے پاس ہے؟''

نکہت امان، دربھنگہ، بہار

• بنٹی کسی کے گھر رشتہ لے کر گیا۔ لڑکی کے باپ نے کہا، ''ابھی تو ہماری بیٹی پڑھ رہی ہے۔''

بنٹی نے کہا، ''کوئی بات نہیں۔ میں ایک گھنٹے بعد آ جاؤں گا۔''

صبا آفریں، اسلام پورہ، مالیگاؤں

• دو دوست باتیں کر رہے تھے۔

ایک دوست: اچھا بتاؤ، بے وقوف اور عقل مند میں کیا فرق ہے۔

دوسرا دوست: یہی کہ بے وقوف میرے سامنے کھڑا ہے اور عقل مند تمھارے سامنے۔

صبا شیریں، مدینۃ العلوم ہائی اسکول، ناندیڑ مہاراشٹر

نظم

□ امان الحق

# آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

جس نے سچ کا ساتھ نبھایا اس نے عزت پائی
جھوٹ کبھی نہ بولو بچو اس میں ہے رسوائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

نفرت سے بڑھتی ہے نفرت نفرت میں ہے برائی
پیار سدا تم بانٹتے رہنا اس میں سب کی بھلائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

ہندو ہو یا مسلم ہو یا سکھ ہو یا عیسائی
ایک خدا کے ہی بندے ہیں سب ہیں بھائی بھائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

مکتب سے منہ موڑنے والوں نے ہے عمر گنوائی
دنیا میں توقیر بڑھی ہے جس نے کی ہو پڑھائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

نادانوں کی صحبت سے تم پاؤ گے رسوائی
ساتھ ہمیشہ اس کے رہنا جس میں ہو دانائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

جس نے اس سے قدم ملایا اس نے منزل پائی
وقت بڑی ہی قیمتی شے ہے اس کی قدر ہو بھائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

راہ منور کر جائے جو ایسی شمع جلائی
بات ہر اک انمول ہے جو بھی ٹیچر نے بتلائی
آج ہماری ٹیچر نے یہ بات ہمیں سمجھائی

**Amanul Haque** Mahrashtra Urdu Academy Jawli Bes, Old City, Balapur Distt. Akola - 444302 (MS)

عبداللہ خالد

# منّو میاں یہ کیا ہے!

منّو میاں یہ کیا ہے
ٹی وی ہے اور تم ہو
ہر وقت اس میں گم ہو
فلمیں یہ کارٹونی
اچھی کبھی کبھی کی
ہر وقت ان سے رغبت
اچھی نہیں یہ عادت
صوفے پہ تم جمے ہو
یا بیڈ پر پڑے ہو
اس سے تو ہے یہ بہتر
گھر سے نکل کے باہر
تازہ ہوا میں گھومو
میداں میں جاکے کھیلو
کرکٹ ہو یا کبڈی
فٹ بال ہو کہ ہاکی

جس کھیل سے ہو ورزش
اچھی اسی کی کوشش
آئے گا لطف تم کو
یہ فائدہ بھی ہوگا
کچھ بھوک بھی بڑھے گی
اور ہاضمہ بھی ہوگا
صحت بھی ہوگی اچھی
پاؤ گے تندرستی
منو میاں سمجھ لو!
بچپن کا یہ زمانہ
بے کار مت گنواؤ
کچھ کام کر دکھاؤ
پڑھنے میں جی لگاؤ
عزت جہاں میں پاؤ

Abdulla Khalid abdullahkhalidrmp@gmail.com

قسط وار داستان

آخری قسط

# روبنسن کروسو

مصنف: ڈینئل ڈیفو

ترجمہ: ایم ندیم

**رابنسن کروسو** انگریزی مصنف ڈینیل ڈیفو Daniel Defoe کا لکھا ہوا مشہور ناول ہے جو سب سے پہلے 25اپریل1719 کو چھپا تھا۔ مصنف کا نام اس میں رابنسن کروسو دیا گیا تھا جب کہ اصل میں یہ ڈیفو کے ناول کا خیالی اور مرکزی کردار کا نام تھا جو اپنی زندگی کے حیرت انگیز واقعات کو سچّا بتا کر اپنی داستان سنا تا ہے۔ کتاب کا اصل نام کافی طویل تھا مگر یہ 'رابنسن کروسوٗ کے نام سے ہی مشہور ہوا۔ پڑھنے والوں نے اسے سچی کہانی سمجھا لیکن یہ تمام تر خیالی قصوں کا مجموعہ تھا۔ بنیادی کہانی اسکاٹ لینڈ کے باشندے الیکزینڈر سیلکرک Alexander Selkirk کی زندگی سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی جو 1676 میں پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے وقت کا مشہور ملاح تھا اور سمندر میں لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی سے متاثر ہو کر تشکیل دیے گئے کردار رابنسن کروسو کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ناول چھپنے کے لگ بھگ ڈھائی سو سال بعد 1966 میں بحرالکاہل کے اُس جزیرے 'ماسا تیئرا' کا نام رابنسن کروسو رکھ دیا گیا جہاں سیلکرک چار سال تک رہا تھا۔ کتاب کا مصنف ڈینئیل ڈیفو 1660 میں لندن میں پیدا ہوا اور 24اپریل 1731 کو اس کا انتقال ہو گیا۔ وہ بیک وقت ایک تاجر، مصنف، صحافی اور جاسوس تھا اور ان مصنفوں میں شامل ہے جنھوں نے انگریزی میں ناولوں کی شروعات کی تھی۔ بہت سے انگریز عالم 'رابنسن کروسوٗ کو انگریزی زبان کا پہلا ناول مانتے ہیں۔ ڈیفو بڑا ہی زود نویس تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں، ناول، رسالے، کتابچے وغیرہ لکھے جن کی تعداد 500 سے زیادہ ہے اور جرائم، نفسیات، سیاست، مذہب، جنتر منتر اور شادی بیاہ اس کے موضوعات میں شامل ہیں۔ ناول 'رابنسن کروسوٗ اس کی سب سے مشہور تصنیف ثابت ہوا جس پر کئی فلمیں بن چکی ہیں، دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بے شمار کامکس اسٹرپ بنائے جا چکے ہیں۔ قومی اردو کونسل نے پہلی بار 1978 میں اس کی تلخیص اردو میں شائع کی جس کا ترجمہ جناب ایم ندیم نے کیا تھا۔ آیئے اس داستان کی چھٹی اور آخری قسط پڑھتے ہیں۔ اعزازی مدیر

**اب تک آپ نے پڑھا:** رابنسن کروسو اپنی کہانی سناتا ہے کہ وہ انگلینڈ کے یارک شہر میں 1632 کو ایک دولت مند تاجر کے گھر میں پیدا ہوا۔ سب سے چھوٹا تھا اس لیے باپ کا لاڈلا تھا۔ رابنسن بڑا ہو کر دنیا کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ والد نے اسے اعلیٰ تعلیم دلائی مگر سیر کی اجازت نہیں دی۔ ایک دن وہ اپنے دوست کے ساتھ دنیا کے سفر پر نکل پڑا جس کے والد کا سمندری جہاز لندن جا رہا تھا۔ لیکن یکم ستمبر 1651 کو سفر کے پہلے ہی دن منحوس واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جہاز چلتے ہی سمندری طوفان آیا اور رابنسن اپنی زندگی سے مایوس ہو کر پچھتانے لگا کہ والدین کا کہنا کیوں نہ مانا۔ وہ طوفان گزر گیا لیکن راستے میں پھر ایک طوفان آیا جس میں ان کا جہاز ڈوب گیا ۔ وہ اور جہاز کے لوگ جان بچا کر یارمتھ شہر کے ساحل پہنچے۔ دوست کے والد نے کہا کہ یہ سب رابنسن کی نحوست سے ہو رہا ہے جو اپنے بیمار باپ کی اجازت لیے بغیر سفر پر آیا ہے۔ رابنسن یہ سننے کے بعد واپس گھر جانا چاہتا تھا لیکن باپ کا سامنا کرتے شرم آتی تھی۔ وہ لندن پہنچا جہاں ایک سمندری تاجر سے دوستی ہوگئی ۔ والد نے کچھ رقم رابنسن کے پاس لندن بھجوادی تھی جس سے اس نے سفر کا سامان خرید لیا۔ تاجر دوست کے ساتھ سفر پر گیا اور خوب منافع کے ساتھ بہت سا سونا جمع کر کے لندن واپس آیا۔ لیکن یہاں اس کا دوست بیمار ہو کر مر گیا ۔ اس نے منافع کا بہت سا حصہ دوست کی بیوہ کے پاس رکھا اور ایک اور سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس بار وہ اور اس کے ساتھی جہازی لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ایک لٹیرے نے رابنسن کو اپنا غلام بنا لیا۔ مگر کچھ دن بعد رابنس شکار کے بہانے لٹیرے کے چنگل سے بچ نکلا۔ سمندر میں ایک جہاز کے نیک دل کپتان نے اس کی مدد کی

اور وہ تجارتی سفر پر اسے برازیل لے گیاجہاں وہ چار سال رہا ۔ وہ ایک شوگر فیکٹری کھولنا چاھتا تھا۔ اس کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت تھی اس لیے لندن میں مرحوم دوست کی بیوہ سے اس نے اپنی جمع شدہ رقم میں ایک ھزار پونڈ کے عوض بہت سا سامان منگوا لیا۔اس نے گنّے اور تمباکو کی کھیتی کے گر بھی سیکھ لیے۔وہ خوب دولت مند بننے کے لالچ میں پڑگیا جس کا اسے بہت نقصان اٹھا نا پڑا۔ ایک روز تین تاجروں نے آکر اسے لوگوں کو غلام بنا کر بیچنے کا دھندا کرنے کی صلاح دی اور کہا کہ گنی سے بہت سے غلام مل سکتے ھیں جنھیں بیچ کر خوب دولت کمائی جاسکتی ھے ۔ وہ ان کی باتوں میں آگیا اور نیک دل کپتان دوست کو لے کر سمندری سفر پر نکل پڑا۔ اس بار بھی سفر کی تاریخ یکم ستمبر تھی اور سال 1659 کا تھاجس سے ٹھیک آٹھ سال پھلے وہ زندگی کے پھلے سمندری سفر پر نکلا تھا ۔ تاریخ نے پھرخود کو دوھرایا۔کیریبیائی ملکوں کے درمیان طوفان سے ان کاجھاز ریت میں دھنس گیا اور جان بچانے والی کشتی بھی الٹ گئی۔ سمندر کی موجوں نے رابنسن کوایک ویران جزیرے کے ساحل پر لا ڈالا۔رابنسن کی جان تو بچ گئی مگر جھاز تباہ ھوکرایک چٹان سے ٹکا کھڑا تھا۔ وہ کسی طرح جھاز پر پھنچا ۔ مگروھاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے سبھی ساتھی مر چکے تھے۔ جھاز سے وہ کھانے پینے کا سامان گولہ بارود سونا چاندی نقدی اور دوسری بہت سی چیزیں ساحل پر لے آیا۔ چند روز بعد سمندری ھواجھاز کو بھی بہا کر لے گئی۔ کروسو جزیرے پر اکیلا رہ گیا۔ بس ایک کتا اور دو بلّیاں اس کے ساتھ تھیں جو وہ جھاز سے لایا تھا۔ اس نے بڑی محنت سے جزیرے پر اپنا گھر بنایا۔ میز کرسی تیار کیں۔ جھاز سے مرغیوں کا جو دانہ ساتھ لایا تھا اس سے فصل اگانے کی کوشش شروع کردی۔ جزیرے پرسال بھر اکیلے رھنے کے بعد اس نے کھیتی کرنے کی ٹھانی۔ اس نے دھان اور جو اگائے۔ برتنوں کی ضرورت محسوس ھوئی۔ اس نے تیز آنچ پر مٹی کے برتن بنائے۔اناج رکھنے کی کوٹھیاں بنائیں۔ پانچ سال بعد ایک چھوٹی کشتی تیار کی جسے ڈونگی کھتے ھیں۔اس نے ڈونگی میں سوار ھو کر جزیرے سے کھیں دور جانے کی کوشش کی لیکن سمندر کی اونچی لھروں اور بھنور نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر واپس آگیااوردوبارہ سمندر میں جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ کروسو کواب جزیرے پر گیارہ سال ھو گئے تھے۔گولہ بارود ختم ھورھا تھا۔ اس نے شکار کر نے کی بجائے بکریاں پالنا شروع کردیا ۔ ایک دن اسے جزیرے پر انسانی پلؤں کے نشان نظر آئے۔وہ ڈر گیااور سوچنے لگا کہ کوئی بھی چپکے سے آکر اسے مار سکتا ھے۔پھر ایک دن اسے جلی ھوئی انسانی ھڈیا ں ملیں جنھیں دیکھ کر یقین ھوگیا کہ آس پاس کسی جزیرے پر کوئی آدم خور قبیلہ رھتا ھے اور اس کے جزیرے پر آکر انسانوں کو کھاتا ھے۔وہ ایک محفوظ غار میں رھنے لگا۔ایک بار دور سے کچھ ننگ دھڑنگ لوگوں کو کشتیوں سے آتے دیکھا۔ یہ آدم خور قبائلی تھے۔ انھوں نے ایک جگہ آگ جلائی اور ایک قیدی کو مار کر اس کا گوشت آگ پر بھوننے اور کھانے لگے۔ کروسو کو بڑی گھن آئی اور اس نے اگلی بار ان پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ ایک دن کوئی جھاز جزیرے کے قریب آکر تباہ ھو گیا۔کروسو جھاز پر پھنچا تواس پر سوائے ایک کتے کے کوئی زندہ نہیں ملا۔ جھاز سے ضرورت کا سامان لے کر وہ جزیرے پر آیا اور آدم خوروں کے دوبارہ آنے کا انتظار کرنے لگا۔آخر ڈیڑھ سال بعد وہ آئے۔بڑا سا الاؤ جلانے کے بعد انھوں نے ایک قیدی کی چیر پھاڑشروع کردی۔اسی بیچ کروسو نے ایک قیدی کو بچا لیا۔آدم خور ایک قیدی کوکھا کر چلے گئے۔قبائلی قیدی کا نام کروسو نے جمن رکھ دیا کیونکہ وہ جمعہ کے روز ھی اسے ملا تھا۔اس نے جمن کو بندوق چلانا، کشتی بنانا، کشتی کھینا سکھایا۔چندروز بعد آدم خور پھر آئے۔ اس بار انھوں نے ایک اسپینی قیدی بھی پکڑ رکھا جسے بھون کر وہ کھانے والے تھے۔ کروسو اور جمن نے انھیں حملہ کرکے بھگادیا اور سب قیدی چھڑالیے جن میں جمن کا باپ بھی شامل تھا۔دونوں قیدیوں کو لے کر وہ اپنے خیمے میں پھنچے۔ **اب آگے پڑھیے ناول کاآخری حصہ!**

## ہم نے

بکری کا گوشت پکایا اور سب نے مل کر کھایا۔ میں نے جمن کو حکم دیا کہ وہ ان وحشیوں کی لاشوں کو ریت میں گاڑ دے تاکہ بدبو نہ آئے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دوبارہ آدم خور آ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں مگر بوڑھے باپ نے جمن کو بتایا کہ آدم خوروں نے ایسی شکست کھائی ہے کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔

وہ اسپینی کئی دن کا بھوکا پیاسا تھا اس لیے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ جب اس میں ذرا طاقت آ گئی تو اس نے اپنی مصیبت کی کہانی سنائی کہ کس طرح اس کا جہاز ٹوٹ گیا تھا اور وہ اپنے سولہ ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹاپو میں رہ رہا تھا۔ وہاں بھی آدم خور رہتے ہیں لیکن ایک قبیلہ والوں نے ان پر رحم کیا اور اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن وہاں کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے اور بھوک اس کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس جزیرے سے نکلنے کے لیے ان کے پاس کوئی کشتی نہیں تھی۔ آخر وہ ان آدم خوروں کے ہاتھ پڑ گیا۔ ایک دن انھوں نے اچانک حملہ کر دیا اور اسے دوسرے قبیلہ والوں کے ساتھ پکڑ لیا۔

میں نے سوچا کہ اگر اسپینی کے باقی سولہ ساتھی بھی یہاں آ جائیں تو سب مل کر یہاں سے نکل جانے اور اپنے اپنے وطن پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

میں نے یہ طے کیا کہ جمن کے باپ کو اسپینی کے ساتھ ان اسپینیوں کو لانے کے لیے بھیج دوں۔ لیکن اسپینی نے بڑے ہی پتے کی بات کہی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ اس نے کہا کہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم لوگ اس فصل میں اتنا غلہ اکٹھا کر لیں جو ہمارے علاوہ ان سولہ آدمیوں کے کھانے کے لیے بھی کافی ہو۔ ورنہ ان کے یہاں آ جانے پر ہم سب کو سخت پریشانی ہوگی۔ مجھے یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ چنانچہ ہم سب نے لکڑی کی کدالیں لے کر زیادہ سے زیادہ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے کھودا اور فصل بونے کے وقت بہت سارا جَو اور دھان بویا۔

اب ہم بے فکری کے ساتھ ٹاپو میں گھومتے پھرتے تھے۔ آدم خوروں کا ڈر ہمارے دل سے نکل چکا تھا۔ میں نے ایک ناؤ بنانے کا کام جمن اور اس کے باپ کے سپرد کیا، اور اسپینی کو ان کی نگرانی پر لگا دیا۔ میں نے اس درمیان نئی نئی بکریاں پکڑ کر اپنے غلے میں اضافہ کر لیا تھا۔ جب انگور اکٹھا کرنے کا وقت آیا تو میں نے بہت سارے انگور توڑ کر سکھا لیے اور ان کو پیپوں میں بھر لیا کہ اگر یہاں سے نکلنا ہوا تو راستہ میں کسی شہر میں ان کو بیچ کر معقول رقم حاصل ہو جائے۔ جمن اور اس کے باپ نے مل کر ایک اچھا سا درخت کاٹا اور اس کے تختوں سے ایک مضبوط ناؤ بنا ڈالی۔ اس کے بنانے میں بہت محنت کرنی پڑی اور کافی وقت لگا۔

خدا کے فضل سے اس بار فصل بھی بہت اچھی ہوئی اور اتنا سارا غلہ پیدا ہو گیا جو کہ ہمارے اور ان سولہ اسپینیوں کے لیے بھی اگلی فصل تک کافی تھا۔ غلہ رکھنے کے لیے ہم نے بڑی بڑی گول ٹوکریاں بنائیں، ان ٹوکریوں کے بنانے میں اسپینی بہت ماہر تھا۔

جب ہمیں کھانے پینے کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو میں نے جمن کے باپ اور اسپینی کو بھیجنے کی تیاری کی۔ لیکن میں نے اسپینی کے

سامنے چند شرطیں رکھیں۔
میں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس کے ساتھی یہاں آ کر میری مدد کریں گے، مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور ہم سے لڑائی جھگڑا بھی نہ کریں گے۔ اگر ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ دشمنی کرے تو اس کا فرض ہوگا کہ وہ ہماری مدد کرے۔ اس جزیرے میں اس کے ساتھی جہاں چاہیں گھوم پھر سکتے ہیں لیکن وہ میرے حکم کے مطابق ہی عمل کریں گے۔

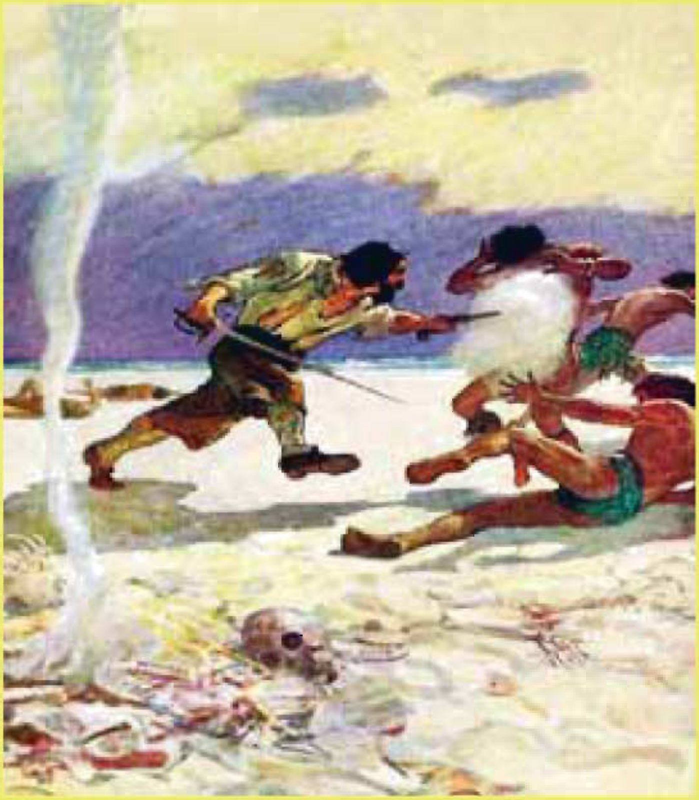

میں نے اسے تاکید کی کہ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائے تو ساری باتیں انھیں اچھی طرح سے سمجھا دے۔ اسپینی ان تمام باتوں پر راضی ہوگیا۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میری مرضی کے خلاف ہرگز کوئی کام نہیں کرے گا۔

جمن کے باپ اور اسپینی کو ہم نے ناؤ پر سوار کیا کھانے کے لیے روٹیاں اور پینے کو پانی رکھ دیا، اور بہت سارے سوکھے انگور بھی رکھ دیئے۔ اس کے علاوہ ان کو بندوق اور گولی اور بارود بھی دیا تا کہ وہ اپنی حفاظت کرسکیں۔ کھانے پینے کا سارا سامان بہت دنوں کے لیے کافی تھا، پھر بھی میں نے تاکید کی وہ اس کو کفایت کے ساتھ خرچ کریں اور بندوق سے سمندری پرندوں کا شکار کرلیا کریں۔ پھر ہم نے ان کو رخصت کیا۔

جہاز کے ملاحوں کے قیدیوں کے جانے کے آٹھ دن بعد یہ ماجرا پیش آیا کہ جمن نے آ کر یہ خبر دی کہ وہ لوگ واپس آ رہے ہیں۔ میں نے سمندر کی طرف دیکھا تو کافی فاصلے پر ایک کشتی آتی نظر پڑی لیکن وہ اس سمت سے نہیں آ رہی تھی جدھر سے کہ اسپینیوں کو آنا تھا۔ میں نے جمن سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں معلوم ہوتے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ دوست ہیں یا دشمن۔ ہم دونوں چھپ کر بیٹھ گئے اور ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

میں نے اپنی دور بین سے دیکھا کہ دور سمندر میں ایک جہاز بھی لنگر ڈالے کھڑا ہے۔ اس جہاز کو دیکھ کر میری طبیعت میں ایک طرح کا جوش پیدا ہوا اور اب تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ کیونکہ اس کو دیکھ کر مجھے اپنی رہائی کی امید پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن پھر مجھے یہ خیال آیا کہ اس طرف جہاز کے آنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ادھر کوئی ایسا ملک نہیں جس سے تجارت ہوسکے اور نہ ہی آندھی یا طوفان ہی آیا ہے جس سے یہ خیال ہو کہ جہاز بھٹک گیا ہے۔

میں نے حالات کا مطالعہ کرنا بہتر سمجھا اور فوراً اپنے آپ کو ظاہر کرنا مناسب نہ جانا۔ اس وقت اگر میں ذرا بھی جلد بازی سے کام لیتا تو بڑی ہی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا۔

کشتی کنارے پر آ کر رک گئی۔ اس میں گیارہ آدمی سوار تھے۔ ایک دو تو ولندیزی تھے، یعنی یوروپ کے ملک نیدر لینڈ کے رہنے

والے جو ہالینڈ اور ڈچ لینڈ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ باقی سب انگریز تھے اور تین کے علاوہ سب کے پاس ہتھیار تھے۔ تین آدمیوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ جب کشتی میں قیدیوں کو اتارا جارہا تھا تو ان میں سے ایک بہت منت سماجت کررہا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ قیدیوں کو یہاں قتل کرنے کے لیے لایا گیا تھا، کیوں کہ وہ لوگ قیدیوں کے ساتھ بہت ہی ظالمانہ برتاؤ کررہے تھے۔

اس وقت میں نے سوچا کہ اگر جمن کا باپ اور اسپینی موجود ہوتے تو ہم سب مل کر ان پر دھاوا بول دیتے اور ان کے پنجے سے ان قیدیوں کو چھڑا لیتے۔ ان تینوں قیدیوں کو ہاتھ پیر باندھ کر ریت پر ڈال دیا گیا تھا اور باقی لوگ جزیرے میں ادھر ادھر گھومنے پھرنے لگے۔

جس وقت یہ لوگ یہاں آئے تھے اس وقت سمندر میں جوار تھا لیکن بھاٹے کی وجہ سے اب پانی اتر گیا تھا اور ان کی کشتی ریت میں پھنس گئی تھی۔ ان لوگوں نے وہ کشتی کھسکانے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں کھسکی، تب ان میں سے ایک نے انگریزی زبان میں کہا کہ جوار آنے پر یہ کشتی اپنے آپ نکل جائے گی۔ یہ سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ انگریز ہیں۔

میں ان سے لڑنے کی تیاری کرنے لگا، لیکن یہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی تھے اس لیے مجھے بڑی چالاکی سے کام کرنا تھا۔ میں نے دو بندقیں جمن کو دیں اور تین خود لیں۔ میرا حلیہ اس وقت کافی خوفناک تھا۔ سر پر بکری کی کھال کی ٹوپی اور بکری کی کھال کا گھٹنوں تک کا کرتا۔ دونوں کندھوں سے لٹکتی ہوئی بندوقیں، کمر میں دونوں طرف پستول، ایک طرف تلوار۔

اس وقت گرمی کی وجہ سے وہ سب قیدیوں کو چھوڑکر، درختوں کی چھاؤں میں آرام کررہے تھے۔ صرف دو آدمی کشتی پر پڑے ہوئے تھے جو شراب کے نشہ میں دھت تھے۔

میں بہت احتیاط کے ساتھ چھپتا، چھپاتا، جمن کو لے کر ان قیدیوں کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے تو وہ میری صورت دیکھ کر سہم گئے۔ لیکن جب میں نے ان سے انگریزی زبان میں بات کی اور کہا کہ میں ان کا دوست ہوں اور مدد کرنے آیا ہوں، تو ان کو اطمینان ہوا۔

چونکہ اس وقت زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں تھا اس لیے ان میں سے ایک نے مختصراً بتایا کہ وہ جہاز کا کپتان ہے، دوسرا نائب کپتان اور تیسرا ایک مسافر ہے۔ ملاحوں نے بغاوت کردی ہے اور ان کی جان لینا چاہتے ہیں۔ وہ قتل کرنا چاہتے تھے لیکن بڑی منت سماجت کے بعد وہ اتنا رحم کرنے پر رضامند ہوئے ہیں کہ ان تینوں کو اس ویران جزیرے میں چھوڑ دیں۔

میں نے ان کے ہاتھ پیر کھول دیے، ان میں سے ایک نے کہا ''آپ ضرور آسمان سے ہماری مدد کے لیے فرشتہ بن کر آئے ہیں ورنہ اس ویران جگہ میں کوئی ہمارا مددگار کہاں؟''

میں نے انھیں تسلی دی اور کہا ''آپ لوگ خوفزدہ نہ ہوں۔ میں بھی ایک انسان ہی ہوں اور اگر خدا نے چاہا تو آپ کو جلد ہی دشمنوں سے نجات مل جائے گی۔''

اب ہم لوگ آڑ میں ہوگئے اور باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں چاہے میری

جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ لیکن میری دو شرطیں ہیں۔ اس پر جہاز کا کپتان بولا کہ اگر آپ دشمنوں سے چھین کر میرا جہاز اپنے قبضے میں کرلیں تو بھی میں تیار ہوں، مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

میں نے کہا میری پہلی شرط یہ ہے کہ جتنے روز آپ لوگ میرے ٹاپو میں رہیں گے میرا کہنا مانیں گے اور جو جو میں ہتھیار دوں گا وہ میری مرضی کے بغیر استعمال نہ کریں گے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ اگر میں جہاز دلوانے میں کامیاب ہوجاؤں تو مجھ کو اور میرے خادم کو بغیر کرایہ لیے انگلستان تک پہنچادیں گے۔

جہاز کے مالک نے قسم کھا کر کہا ''یہ ساری شرطیں ہمیں دل و جان سے منظور ہیں۔ ہم بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہ کریں گے اور جہاز قبضہ میں آجانے پر بہت آرام کے ساتھ آپ کو انگلستان پہنچادیں گے۔''

میں نے مشورہ دیا کہ اس وقت دشمن غافل ہیں اور درختوں کے نیچے پڑے سو رہے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن جہاز کے مالک نے کہا کہ وہ صرف دو بدمعاشوں کو مارنا چاہتا ہے۔ باقی لوگ خود بخود سیدھے راستہ پر آجائیں گے۔

جہاز کے کپتان نے مجھ سے بندوق لی اور کمر میں طمنچہ لگایا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر دشمنوں کی گھات میں چل دیا، جب وہ دشمنوں کے قریب پہنچے تو دو بڑے بدمعاشوں کو نشانہ لے کر بندوق چھوڑی۔ ایک تو اسی وقت مرگیا اور دوسرا زخمی ہو کر تڑپنے لگا اور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا۔

اس وقت کپتان نے کہا ''اے بدبخت اس وقت دوسروں سے مدد مانگنا بے کار ہے۔ اب تیرا وقت آگیا ہے تو خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ'' یہ کہہ کر بندوق کا کندہ اس کے سر میں مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

تین آدمی وہاں اور تھے۔ ان میں سے ایک زخمی ہوگیا تھا اور دو بہت خوفزدہ تھے۔ اسی وقت میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میری صورت دیکھ کر وہ اور سہم گئے اور انھیں یقین ہوگیا کہ اب ان کا بچنا مشکل ہے اس وقت وہ لوگ گڑگڑانے لگے اور زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ تب کپتان نے کہا:

''تم لوگوں نے جو جرم کیا ہے اس کی تو یہی سزا ہے کہ تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن تم کو اسی شرط پر معاف کیا جاسکتا ہے کہ تم سچے دل سے وفادار رہنے کی قسم کھاؤ اور جمیکا تک جہاز پر ہمارے ساتھ رہو۔''

ان لوگوں نے بہت قسمیں کھائیں اور منت سماجت کی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا تب کہیں جا کر ان کی جاں بخشی گئی۔ میں نے یہ مشورہ دیا کہ جب تک وہ اس جزیرہ میں رہیں ان کو ہاتھ پیر باندھ کر رکھا جائے۔

ملاحوں میں سے تین آدمی جو جنگل میں گھوم رہے تھے، بندوق چلنے کی آواز سن کر اُدھر آئے اور جب انھوں نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان فتح مند ہوگیا ہے تو خوف کے مارے انھوں نے بھی اطاعت قبول کرنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ وہ جو دو آدمی کشتی میں پڑے تھے ان کو ہم نے آسانی کے ساتھ قابو میں کرلیا تھا۔

میں نے جہاز کے کپتان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رام کہانی سنائی اور اس جزیرے میں آنے سے لے کر اب تک کے سارے

حالات بیان کیے۔ وہ میری مصیبت اور تنہائی کی داستان سن کر تعجب کرنے لگے اور جہاز کا کپتان تو مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔

میں ان کو اپنے گھر لے گیا اور کھانا پیش کیا۔ میں نے ان کو وہ ساری چیزیں دکھلائیں جو میں نے بنائی تھیں یا اکٹھا کی تھیں۔ میں نے بکریوں کا باڑا، کھیت، درخت، جو میں نے لگائے تھے، اور غار بھی دکھلایا، وہ یہ سب دیکھ کر حیرت کرتے تھے۔

کپتان بار بار میرا شکریہ ادا کرتا تھا اور نہایت خاک ساری کا اظہار کرتا تھا۔

## جہاز پر قبضہ

اب یہ مسئلہ تھا کہ جہاز کو کس طرح اپنے قبضہ میں کیا جائے۔

جہاز پر اس وقت چھبیس آدمی تھے اور وہ سب کے سب باغی اور دشمن تھے۔ کپتان بہت پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

میں نے کہا جب ان کے ساتھی جہاز تک نہ پہنچیں گے تو وہ لوگ یقیناً ان کی تلاش میں باہر نکلیں گے، اس وقت ہم ان سے نپٹ لیں گے۔

ہم لوگوں نے اس کشتی کا سارا سامان جس پر وہ لوگ آئے تھے اتار کر اس میں ایک بڑا سا سوراخ کر دیا تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر ہم خدانخواستہ جہاز حاصل کرنے میں ناکامیاب رہیں تو یہ کشتی ہمارے پاس ہی رہے اور اس کی مرمت کرکے کسی وقت یہاں سے نکل سکیں۔

اسی وقت جہاز پر سے توپ چلنے کی آواز آئی اور جہاز کا جھنڈا بھی چڑھا دیا گیا۔ یعنی اب جہاز روانگی کے لیے بالکل تیار تھا۔ یہ ملاحوں کے لیے بلاوا تھا۔ کئی بار توپ چھوڑی گئی لیکن یہاں سے کوئی نہ جاسکتا تھا۔ جب بہت دیر تک یہاں سے کوئی نہ گیا تو ایک کشتی جزیرے کی طرف آتی ہوئی دکھائی پڑی۔ ہم نے سارے قیدیوں کو دور جنگل میں قید کر رکھا تھا۔ جہاں نہ تو کوئی پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی آواز جاسکتی تھی۔ صرف ان دو آدمیوں کو جن پر جہاز کے کپتان کو اعتبار تھا، ہم نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

جو لوگ جہاز پر سے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں آئے تھے وہ کشتی کے قریب آکر رک گئے۔ خالی اور ٹوٹی ہوئی کشتی کو دیکھ ان کے چہرے اتر گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو زور زور سے پکارنے لگے۔ لیکن ان کی پکار کا کوئی بھی جواب نہیں ملا، کیوں کہ ان کے ساتھی تو ہماری قید میں تھے۔ تب ان سبھوں نے ایک گول سا گھیرا بنا کر ایک ساتھ بندوقیں چھوڑیں۔ جب انھیں کوئی جواب نہ ملا اور کہیں کوئی نظر نہ آیا تو وہ مایوس ہو گئے اور اپنی کشتی پر بیٹھ کر واپس جانے لگے۔

یہ دیکھ کر کہ وہ اب ہمارے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں ہمیں بہت افسوس ہوا۔ لیکن تھوڑی دور جا کر ان لوگوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پھر کنارے پر اپنی کشتی لے آئے۔ ان میں سے تین آدمی تو کشتی پر بیٹھے رہے اور سات جزیرے میں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں نکل آئے۔ کشتی پر بیٹھے ہوئے آدمیوں نے یہ کیا کہ کشتی کو کنارے سے دور لے جا کر گہرے پانی میں کھڑا کر دیا، اس لیے ہمارا ان تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

وہ ساتوں آدمی ادھر ادھر گھوم پھر کر، اور اپنے ساتھیوں کو نہ

پا کر مجبوراً کشتی کے پاس آگئے۔ اب ان کا ارادہ بالکل واپس جانے کا تھا۔ یہ دیکھ کر جہاز کا کپتان بہت مایوس ہوا۔ کیونکہ اب جہاز حاصل کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے اسے تسلی دی اور ایسی ترکیب کی کہ وہ لوگ واپس نہ جائیں۔ جہاز کے نائب کپتان اور جمن سے میں نے کہا کہ وہ نالے کے اس پار جا کر ان لوگوں کو پکاریں۔ یہ آواز سن کر وہ ساتوں آواز کی طرف لپکے۔ چونکہ اس وقت نالے میں پانی چڑھا ہوا تھا، اس لیے وہ بغیر ناؤ کے اسے پار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناؤ کو بھی وہ ادھر لے آئے۔ اس سے ہمارا مقصد حل ہوگیا۔ کشتی کو ایک پیڑ سے باندھ کر اور دو آدمیوں کو نگرانی کے لیے چھوڑ کر وہ سب نالے کے دوسری طرف آگے کو بڑھ گئے۔

جمن اور نائب کپتان نے میری بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق ان لوگوں کو آوازیں دے دے کر ادھر ادھر خوب دوڑایا اور ایسے راستہ پر لگا دیا کہ وہ بھٹک گئے اور راستہ بھول گئے اور جب وہ واپس آئے تو تب تک اندھیرا ہو چکا تھا۔

ہم لوگوں نے کشتی پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو تھک کر چور چور ہو چکے تھے اور خوف زدہ بھی تھے۔ جب انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کشتی پر نہ پایا تو اور بھی پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس ٹاپو میں ضرور بھوت رہتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کو گھبرا کر پکارنے لگے، لیکن کوئی جواب نہ پا کر دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کبھی وہ کشتی پر جا کر بیٹھ جاتے کبھی اتر کر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگتے۔

جب خوب اندھیرا گھپ ہوگیا تو ہم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ

کیا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ زیادہ لوگ مارے جائیں، کیونکہ ان لوگوں کے پاس بھی ہتھیار تھے۔ ہمارے آدمی بھی لڑائی میں مارے جا سکتے تھے۔ ہم لوگ بہت خاموشی سے ان کے قریب پہنچے اور جہاز کے مالک نے ملاحوں کے باغی سردار اور اس کے قریبی ساتھی کو بندوق سے مار ڈالا۔ وہ دو آدمی جو کشتی پر رکھوالی کر رہے تھے اور جواب ہمارے قبضہ میں تھے ہم نے ان سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو نام بنام پکار کر کہیں کہ بہتری اسی میں ہے کہ صلح کر لو ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے۔

وہ سب اتنے خوف زدہ تھے کہ ہتھیار پھینک کر فوراً ہمارے تابع داری قبول کرنے پر راضی ہوگئے۔ اس وقت جہاز کا کپتان بولا "تم سب کو معافی دی جا سکتی ہے لیکن ٹل ایٹکن کو نہیں۔"

ٹل ایٹکن نام کا آدمی یہ سن کر بہت گھبرایا اور بولا "جب سب کو معافی دی جا رہی ہے تو مجھے کیوں نہ دی جائے، جو میرا قصور ہے وہی دوسروں کا ہے۔"

جہاز کے کپتان نے غصہ سے کہا "کم بخت تو نے ہی میرے ہاتھ پیر باندھے تھے اور مجھے گالیاں دی تھیں۔"

قیدیوں کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے۔ میں اس وقت تک ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ کپتان نے ان کو خوب ڈرایا دھمکایا کہ ان کو کرتوتوں کی سزا ضرور ملے گی اور یہ کہ یہاں کا حاکم انگلستان کا ہی باشندہ ہے اگر وہ چاہے تو سبھوں کو پھانسی دے سکتا ہے، لیکن وہ سب کو انگلستان بھیج دے گا جہاں بغاوت اور جہاز چھیننے کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے گا اور وہاں پھانسی کی سزا ہوگی۔

جہاز کا کپتان بولا کہ اب ان لوگوں کی جان بچنے کا صرف ایک

ہی راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سب لوگ وفادار رہنے کی قسم کھائیں اور جہاز پر قبضہ دلانے میں اس کی مدد کریں۔

یہ سن کر سب قیدی قسمیں کھانے لگے کہ وہ زندگی بھر جہاز کے کپتان کے وفادار رہیں گے اور اس کا ہر حکم مانیں گے، اور جہاز پر قبضہ دلانے میں اس کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ اس پر جہاز کے کپتان نے کہا کہ وہ یہاں کے حاکم سے ان کی سفارش کردے گا اور اسے امید ہے کہ حاکم اس کی سفارش مان لیں گے۔

جہاز کے کپتان نے مجھ سے سارا ماجرا بیان کیا، میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ قیدیوں میں سے اپنے اعتبار کے صرف پانچ آدمی چن لے اور باقی قیدیوں سے کہہ دے کہ وہ لوگ حاکم کی قید میں رہیں گے۔ اگر ان پانچ آدمیوں نے ٹھیک ٹھیک کام کیا تو باقی سب کی بھی رہائی ہوجائے گی اور اگر ان لوگوں نے دھوکا دینے کی کوشش کی تو پھر کسی کی خیر نہیں۔

جہاز کے کپتان نے میرے کہنے کے مطابق عمل کیا اور ان میں سے پانچ آدمیوں کو چن لیا، اس کے علاوہ خود جہاز کا کپتان، نائب کپتان اور ان کا ساتھی مسافر اور پانچ اور آدمی ساتھ کر کے میں نے سب کو روانہ کیا۔ جہاز کے کپتان کو میں نے تاکید کی کہ وہ بہت ہوشیاری سے کام کرے۔ میرا اور جمن کا رہنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ قیدیوں کی دیکھ بھال اور کھانا پانی دینے والا کوئی دوسرا نہ تھا۔

ٹوٹی ہوئی کشتی کے پیندے کو درست کردیا گیا تھا۔ دوسری کشتی پر تھوڑا سامان کھانے پینے کا بھی رکھ دیا گیا تھا۔ ایک کشتی میں چار آدمی تھے۔ اس کو کپتان کے ساتھی مسافر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ دوسری کشتی میں کپتان، نائب کپتان اور پانچ آدمی اور تھے یہ سب اپنے فرائض بہ خوبی انجام دے رہے تھے۔

آدھی رات کے وقت یہ کشتیاں جہاز کے قریب پہنچیں۔ کپتان نے جہاز کے لوگوں کو پکارا اور ان سے باتیں کرنے لگا کہ اپنے ساتھیوں کی تلاش میں اتنا وقت لگ گیا، وہ لوگ نہیں ملے اور وہ ان کی کشتی لے آیا ہے۔ اس طرح جہاز کے باغی ملاحوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا، اور جب دونوں کشتیاں جہاز کے بالکل قریب پہنچ گئیں تو سب لوگ جہاز کے اوپر چڑھ گئے اور سب سے پہلے ملاحوں کے باغی سردار کے خاص آدمیوں کو گرفتار کرلیا گیا اور انھیں باندھ دیا گیا اور جس جگہ باغی سردار سو رہا تھا وہاں جا کر اسے ختم کردیا۔ اس کی حفاظت کے لیے تین آدمی مقرر تھے انھوں نے مقابلہ کیا۔ اس جھڑپ میں نائب کپتان کے بازو میں گولی بھی لگی اور دو آدمی زخمی بھی ہوئے۔ باغیوں کے سردار کے مرجانے کے بعد کسی نے مزاحمت نہ کی اور جہاز آسانی کے ساتھ قبضہ میں آگیا۔

میں نے کپتان سے کہہ دیا تھا کہ جس وقت جہاز قبضہ میں آجائے اس وقت سات توپیں چھوڑے تاکہ مجھے معلوم ہوجائے۔ میں توپ کی آواز سننے کے لیے سمندر کے کنارے بیٹھا تھا۔ رات کے دو بجے میں نے توپوں کی آواز سنی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو میرے سامنے جہاز کا کپتان کھڑا تھا۔ اور قریب ہی جہاز بھی لنگر ڈالے موجود تھا۔ میں نے اتنے قریب جہاز کو دیکھا تو محسوس کیا کہ جیسے اب میری رہائی کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں نے ایسی خوشی محسوس کی کہ مارے خوشی کے بے ہوش سا ہوگیا۔

جب ہوش آیا تو جہاز کے کپتان نے مجھے گلے سے لگا لیا اور بولا "یہ جہاز آپ ہی کا ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی آپ کا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے یہ دوبارہ مل سکا ہے۔"

کپتان نے مجھے تحفے میں بہت ساری چیزیں پیش کیں اور پہننے کے لیے عمدہ سا لباس دیا۔ میں نے یادگار کے لیے اپنا طوطا، چمڑے کی چھتری اور ٹوپی وغیرہ اپنے ساتھ لی اور اللہ کا نام لے کر اس جزیرے کو الوداع کہا۔

اس طرح میں اس ویران جزیرے میں اٹھائیس سال دو ماہ اور انیس دن رہ کر 1686 میں دسمبر کی 19ویں تاریخ کو روانہ ہوکر اور پینتیس سال اپنے وطن سے دور رہ کر 11 جون 1687 کو اپنے وطن انگلستان واپس پہنچا۔ **ختم شد**

ادارہ

## بڑھیا کی بکری

کہتے ہیں سلطان ملک شاہ، ایران کا ایک نیک دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ جنگل سے گزر رہا تھا جہاں شام ہوجانے کی وجہ سے اسے خیمہ ڈال کر رکنا پڑا۔ خیمے سے کچھ دور اس کے سپاہیوں نے ایک بکری پکڑ لی جو لاوارث گھوم رہی تھی۔ سپاہی بھوکے تھے اس لیے انھوں نے اسے جنگلی بکری سمجھ کر ذبح کیا اور بھون کر کھا گئے۔ مگر وہ دراصل ایک غریب بوڑھی عورت کی بکری تھی اور اس کے تین چھوٹے بچّے اس بکری کے دودھ پر ہی پل رہے تھے۔ بڑھیا یہ سوچ کر پریشان ہوگئی کہ اب اس کے بچّوں کا کیا ہوگا۔ وہ ان سپاہیوں کی حرکت پر انصاف مانگنے کے لیے بادشاہ کے خیمے تک جا پہنچی مگر سپاہیوں نے اسے بھگا دیا۔ بڑھیا قریب کے ایک پل پر پہنچی جہاں سے بادشاہ کو گزرنا تھا۔ جیسے ہی بادشاہ آیا بڑھیا نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور بولی، ''میرا انصاف اسی پُل پر کروگے یا بال سے زیادہ باریک اس پُل پر جس سے قیامت کے بعد گزرنا ہوگا!'' یہ سن کر بادشاہ کانپ گیا اور گھوڑے سے اتر کر بولا، ''بتا تجھے کس بات کا انصاف چاہیے؟'' بڑھیا نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے سپاہیوں سے پوچھا کہ کیا بات صحیح ہے؟ سپاہیوں نے سر جھکا کر

نیہا پروین درجہ 6
اسلامیہ اردو
پرائمری اسکول
مومن پورہ ناگپور

شیخ مزمل درجہ 7
ڈاکٹر ذاکر حسین
ہائی اسکول
اورنگ آباد

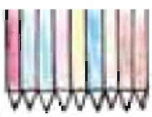

شیخ شاکر درجہ 8
ڈاکٹر ذاکر حسین
ہائی اسکول
اورنگ آباد

خان توصیف
درجہ 8 آئیڈیل
ہائی اسکول
ٹرامبے ممبئی

مان لیا کہ ہاں بکری انھوں نے ہی ذبح کی تھی لیکن یہ بھی کہا کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی ہوتا تو وہ ہرگز یہ حرکت نہ کرتے۔ بادشاہ نے بڑھیا کی فریاد قبول کر لی اور کہا، ''اگر میں تمھیں اس بکری کے بدلے 70 بکریاں دوں تو کیا تم میرے سپاہیوں کو معاف کر دوگی؟'' بڑھیا فوراً رضامند ہوگئی۔ بادشاہ نے بکریوں کے ساتھ بہت کچھ دے کر بڑھیا کو خوش کیا اور جب بڑھیا نے سپاہیوں کو معاف کر دیا تبھی قدم آگے بڑھایا۔

انصاری محمد فیضان، مولوی گنج، دھولیہ، مہاراشٹر

## ایمان دار دکان دار

حامد نے آج پھر نیا سامان دکان میں بھرا تھا اور بڑی ایمانداری سے اسے فروخت کر رہا تھا۔ وہ جائز منافع سے نہ ایک پیسہ زیادہ لیتا نہ ایک پیسہ کم۔ ایمانداری کی وجہ سے اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور زیادہ چیزوں کی فروخت سے اس کی آمدنی بڑھنے لگی۔ یہ دیکھ کر اس کا پڑوسی دکاندار امتیاز اس سے جلنے لگا۔ اس نے لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان سے چیزوں کے زیادہ دام لینے شروع کر دیے۔ لیکن اس کی آمدنی بڑھنے کی بجائے گھٹنے لگی۔ حامد کی آمدنی رفتہ رفتہ بڑھ کر دوگنی ہوگئی مگر امتیاز نے دکان میں جو پیسہ لگایا تھا وہ بھی ختم ہونے لگا تھا۔ آخر گھر میں فاقوں کی نوبت آگئی۔ حامد سے پڑوسی کا یہ حال نہ دیکھا گیا۔ ایک دن اس نے امتیاز کے گھر جا کر اس سے بات کی اور اپنی کامیابی کا راز بتاتے ہوئے مشورہ دیا کہ جو چیزیں وہ نہیں بیچتا انھیں امتیاز بیچا کرے اور جائز منافع سے زیادہ ایک پیسہ نہ لے۔ حامد نے سفارش کر کے امتیاز کو کافی سامان بھی دلا دیا۔ امتیاز نے پوری ایمان داری سے کام کیا۔ چند ہفتوں میں ہی اس کا اچھا اثر دکھائی دینے لگا اور چند مہینوں میں اس نے ادھار بھی ادا کر دیا! امتیاز فاقوں کے دن بھول گیا لیکن حامد کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھولا کہ اسی نے تجارت کا یہ نیک اور جائز طریقہ اسے سکھایا تھا!

بشریٰ شیخ ذاکر، تعلقہ شیرپور، ضلع دھولیہ

**ضروری بات:** ڈرائنگ صرف ڈرائنگ پیپر پر بھیجیں اور موڑیں نہیں۔ ادارہ

## بڑے بچوں کی باتیں

□ ادارہ

'**بچوں کی دنیا**' میں آپ کے تمام اداریے ذمہ دارانہ ادارت کا بین ثبوت ہے۔ اتنی خوبصورت 'بچوں کی دنیا' دیکھ کر یقین جانیے آج کے بچوں کی قسمت پر رشک آنے لگا ہے۔ بچوں کو اتنی خوبصورت دلکش دیدہ زیب سوغات دینے پر مبارکباد قبول فرمائیں۔

**بابو آر کے**، قاصد پورہ، اچل پور شہر ضلع امراوتی

'**بچوں کی دنیا**' کے تمام ذمہ داران کو میرا پر خلوص سلام! سب سے پہلے تو میری نظم کو تصحیح کر کے چھاپنے کا شکریہ۔ ہنر موقع مانگتا ہے، اور بے شک آپ نے میرے ہنر کو بھی موقع دیا۔ میرے خیال میں آج کا انسان غلطی اور عیوب تلاش کرتا ہے۔ لیکن غلطی کو درست کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں 'بچوں کی دنیا' وہی تصحیح کرنے اور موقع دینے والا رسالہ ہے۔ میں نے کئی بار غور کیا۔ آپ اس رسالے میں ہر مذہب کے متعلق مواد فراہم کرتے رہے ہیں جو قومی یک جہتی کی بہترین مثال ہے۔ کاش، ہر ہندوستانی کے دل کی کتاب پر 'بچوں کی دنیا' کے اوراق کی ہر وہ تحریر نقش ہو جائے جو انسانیت امن اتحاد و اتفاق کا حسین سبق دیتی ہے۔ مبالغہ آرائی میری فطرت نہیں پر آپ یقین جانیں دھیرے دھیرے ہی سہی مگر یہ رسالہ پورے ملک ( کی اردو آبادی) میں انقلاب پیدا کر دے گا۔
مجروح سلطانپوری نے گویا اسی رسالے کے لیے یہ شعر کہا ہو:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

**شیخ صبا منیر**، مولانا آزاد کالج، روضہ باغ اورنگ آباد

'**بچوں کی دنیا**' سے پہلے شمارہ سے متعارف ہوں۔ ہمارے والد مرحوم اردو پرائمری اسکول کے ٹیچر تھے اور گھر میں اردو کے بہت سے رسالے آتے تھے۔ بچپن سے ہی اردو کے ماحول میں پرورش پائی۔ اس وقت ہمارے یہاں بچوں کے رسالوں میں کھلونا (دہلی)، غنچہ (بجنور)، نونہال (دہلی) آیا کرتے تھے۔ بہت عرصے کے بعد ایک بچوں کا رنگا رنگ ودیدہ، زیب رسالہ 'بچوں کی دنیا' کے روپ میں نمودار ہوا۔ ویسے بھی عموماً بچوں کے رسالے کم شائع ہوتے ہیں اور بچوں کے والدین اس جانب کم توجہ دیتے ہیں۔ آج بھی 3-4 رسالے بچوں کے اردو میں شائع ہو رہے ہیں۔ بچوں کے والدین کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو ان رسالوں سے متعارف فرمائیں۔ اتنا خوبصورت پرچہ نکالنے پر آپ تمام لوگ مبارکباد کے حق دار ہیں۔

**ڈاکٹر شریف الدین خان**

سابق ادھیکشک ضلع آیورویدادھیکاری رائے گڈھ، 36 گڑھ

**کنی ماہ** سے بچوں کی دنیا سے جڑی ہوں، جاذبیت نظر، بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے معلوماتی تفریح طبع کا سامان، چٹکلے رنگین کارٹون وغیرہ سمیٹے ہر ماہ پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ گزشتہ سال ایک شمارے میں پریم دھون کی ایک نظم، 'ایک غریب الوطن کا نغمہ' کے عنوان سے پڑھی تھی جو اب تک یاد ہے۔ نظم پڑھنے کے بعد یادِ ماضی نے کروٹ لی۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی کہانی 'کابلی والا' کے اس پٹھان کی یاد آگئی جو اپنے ملک کابل سے اپنا سامان بیچنے ہندوستان آیا تھا۔ گاہک کے گھر ایک بچی منی کو دیکھ کر اسے اپنی بیٹی اور اپنے وطن کی یاد آتی ہے تو وہ ایک بوسیدہ کاغذ پر کابل میں اپنی بیٹی کی دائیں ہتھیلی کا روشنائی سے لیا گیا عکس دیکھ لیتا ہے اور اپنے وطن کو یاد کرتا ہے۔ نظم کا آخری بند دل پر ٹھہر جاتا ہے:

ماں کا دل بن کر کبھی سینے سے لگ جاتا ہے تو
اور کبھی ننھی سی بیٹی بن کے یاد آتا ہے تو
جتنا یاد آتا ہے تو اتنا ہی تڑپاتا ہے تو
تجھ پہ دل قربان!

میرے پاس ایک نظم بعنوان 'چھٹی کی گھنٹی' ہے جو عرصہ دراز پہلے

کسی اردو جریدے میں چھپی تھی۔ میں یہ نظم اسکول پروگراموں میں پڑھتی تھی۔ ہر بار سامعین نے نظم کو پسند کیا اور بطور ہمت افزائی مجھے اعزاز بخشا۔ یوں تو نظم بچوں اور بڑوں کے لیے یکساں دلچسپ ہے۔ مگر آخری شعر انسان کی آزادی اور غلامی کے فلسفہ کو جھلکاتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

## چھٹی کی گھنٹی

فیض لدھیانوی

مرحبا چھٹی کی گھنٹی مرحبا
کس قدر مرغوب ہے تیری صدا
ہم نے اکثر مختلف باجے سنے
تیرا سُر وہ ہے کہ دنیا سَر دھنے
تیری ٹن ٹن میں ہے وہ جادو بھرا
ذرّہ ذرّہ مست ہے اسکول کا
صبح کی گھنٹی بھی بجتی ہے مگر
خاک ہوتا ہے طبیعت پر اثر
وہ سدا گھر سے بلاتی ہے ہمیں
تو سدا چھٹی دلاتی ہے ہمیں
اس کے سنتے ہی نکل جاتی ہے جان
تیرے سنتے ہی سنبھل جاتی ہے جان
اس کا بجنا ہے پڑھائی کا پیام
تیرا بجنا ہے رہائی کا پیام
صبح کی گھنٹی سے ڈرتے ہیں سبھی
تجھ کو سن کر وجد کرتے ہیں سبھی
کررہے ہیں کان کب سے انتظار
تیرے نغموں کے لیے ہیں بے قرار
جلد بج جائے تو ہو اتنی خوشی
پاس ہوکر بھی نہ ہوتی ہو کبھی

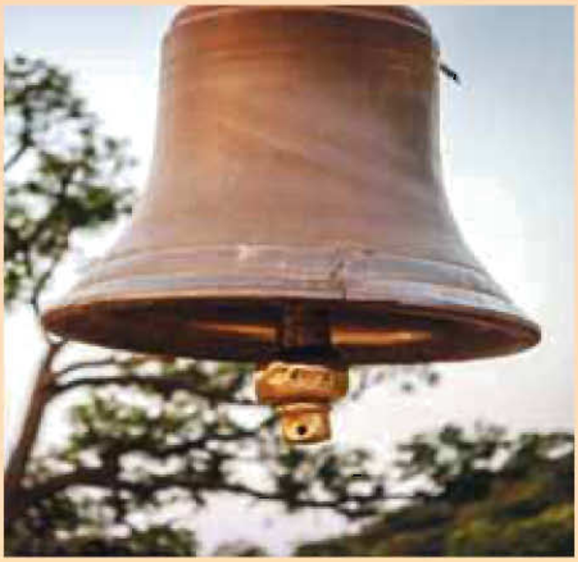

دیکھنے میں دھات کا ٹکڑا ہے تو
اپنے حق میں چاند سا مکھڑا ہے تو
اور کوئی ساز تجھ جیسا نہیں
ریڈیو کچھ بھی سہی ایسا نہیں
آج ہم پر یہ حقیقت کھل گئی
کیوں غلامی سے ہے آزادی بھلی
فیض کو بچپن کی فطرت یاد ہے
ننھے بچوں کی مسرت یاد ہے

**نرگس انصاری**، محلّہ سوداگر، جودھ پور، راجستھان

**'بچوں کی دنیا'** کے تمام شمارے نظر نواز ہوئے۔ قومی اردو کونسل واحد ادارہ ہے جو اپنی منزل کی طرف اتنی ثابت قدمی سے گامزن ہے۔ کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے بچوں کو اس کی طرف راغب کرنا ضروری ہے۔ یوں تو ماہنامہ 'اردو دنیا' میں بھی بچوں کے لیے کچھ صفحات ہوتے تھے لیکن ان کے لیے الگ سے اس قدر دیدہ زیب اور مقصدی رسالہ نکال کر آپ نے ایک بڑا کام کیا ہے۔ اس کے ہر صفحے سے آپ لوگوں کی محنت و محبت عیاں ہے۔

**سلیم سرفراز**، کے ٹی روڈ آسنسول، مغربی بنگال

□ ادارہ

# اردو Facebook

□ میں اساورِقیوم جِتا بڑے آپ سے مخاطب ہوں۔ ہمارے گاؤں میں اردو بولنے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے پھر بھی اُردو کے اخبار اور میگزین بہت کم دستیاب ہیں۔ لوگ اُردو اخبار خرید کر نہیں پڑھتے شاید اس لیے۔ ایسے ماحول میں ہمارے جنید یہ ہائی اسکول کُرچی کے انتظامیہ نے ہر ماہ 'بچوں کی دنیا' جیسے خوبصورت میگزین کی 100 کاپیاں خرید کر بچوں میں فروخت کرنے کا انتظام کیا ہے۔ بچے ہاتھوں ہاتھ خرید لیتے ہیں۔ یہ ایک کامیاب ترکیب ہے جو ہر اُردو اسکول میں اپنائی جائے تو اس سے یقیناً اردو بے حد فروغ حاصل ہوگا۔ ایسی میں اُمید کرتی ہوں۔

اساورِقیوم جِتا بڑے، کُرچی، ضلع بیلگاؤں کرناٹک

□ مالیگاؤں ناسک کے عبدالباری اور عبدالودو نے مشترکہ تصویر کے ساتھ دیے گئے پیغام میں لکھا ہے: ''میں اردو پڑھ لیتا ہوں۔ 'بچّوں کی دنیا' بہت اچھا رسالہ ہے۔ مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔ بھولے بھالو کی حماقتیں اور اردو ایس ایم ایس پڑھ کر بڑا مزا آتا ہے۔ دعا ہے یہ رسالہ اسی طرح چلتا رہے۔'' اب یہ کہنا مشکل ہے کہ پیغام کے یہ ''میں'' صاحب کون ہیں اور تصویر میں کون کس کے ساتھ ہے!

□ میرا نام سیدہ عائشہ ہے۔ میں 3 سال کی ہوں۔ ابھی مجھے پڑھنا لکھنا نہیں آتا۔ میں اپنی بڑی امّی سے 'بچّوں کی دنیا' خریدتی ہوں جو اس رسالے کی سیلر Seller ہیں۔ میں کامکس کہانی کی تصویریں دیکھتی ہوں۔ اور دوسری تصویریں بھی دیکھتی ہوں۔

سیدہ عائشہ، انجان گاؤں سورجی ضلع امراوتی، مہاراشٹر

□ میں ارشد حسین آٹھویں میں پڑھتا ہوں۔ سب سے پہلے قومی اردو کونسل کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہم بچوں کے لیے اتنے دلچسپ اور خوب صورت میگزین کی شروعات کی۔ مجھے اس کی کہانیاں، نظمیں، کامکس، اردو ایس ایم ایس اور اردو فیس بک بہت پسند ہے۔ جنوری کے شمارے میں کہانیاں میٹھا ناسور اور بوڑھے کوے کی چالاکی اور نظموں میں 'وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا' اور 'چھبیس جنوری' کے علاوہ اردو ایس ایم ایس بہت اچھے لگے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ کہانیوں اور نظموں کی تعداد اور بڑھائیں۔

ارشد حسین، درجہ 8، کیندوا ہائی اسکول، کلٹی، بردوان، مغربی بنگال

□ جنید اختر بھی اسی کیندوا اسکول کے ہیں اور انھیں بھی جنوری کے شمارے کی یہی کہانیاں اور نظمیں اچھی لگی ہیں۔ آگے لکھتے ہیں: ''رابنسن کروسو، ڈینیل ڈیفو کا لکھا ہوا ایک اچھا ناول ہے۔ 'بچّوں کی دنیا' پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ مجھے اس کی رنگین تصویریں، سائنسی معلومات اور لطیفے بہت پسن آتے ہیں۔ وہ لطیفہ بہت اچھا تھا جس میں لڑکا ہسٹری کے پرچے میں فیل ہونے کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اس سے وہ باتیں پوچھی گئی تھیں جو اس کی پیدائش سے بہت پہلے کی ہیں۔''

جنید اختر، درجہ 8، کیندوا ہائی اسکول، کلٹی، بردوان، مغربی بنگال

□ لگتا ہے اس اسکول کی آٹھویں جماعت کے سب بچّے اردو پڑھتے ہیں۔ آپ محمد اجمل ہیں جو لکھتے ہیں: ''مجھے 'بچّوں کی دنیا' پڑھ کر بہت

خوشی ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے بھی اس کے لیے شاعری لکھنی چاہیے۔ کارٹون اور ان پر لکھی ہوئی کہانیاں مجھے بڑی اچھی لگتی ہیں۔ نظمیں بھی بہت دل چسپ ہوتی ہیں۔ بس آپ اسی طرح یہ پیاری میگزین چھاپتے رہیے۔'' اس کے ساتھ ایک کہانی بھی بھیجی ہے جو پڑھنے میں تو اچھی ہے مگر ذرا مرمّت کرنی پڑے گی اس لیے چھپنے میں کچھ دیر لگ سکتی ہے۔

محمد اجمل، درجہ 8، کیندوا ہائی اسکول، کلٹی، بردوان، مغربی بنگال

□ اسی اسکول کی اسی جماعت کے محمد روح الامین کو بھی یہی شمارہ اور یہی کہانیاں پسند آئی ہیں۔ اس کے ساتھ انھوں نے اردو ایس ایم ایس کے لیے ایک لطیفہ اور ننھے فنکار کے لیے ایک تصویر پنسل سے بنا کر بھیجی ہے۔ بہتر ہوگا کہ لطیفہ ایس ایم ایس کے طور پر ہی بھیجا جائے۔ تصویر اچھی ہے لیکن کیا ہی اچھا ہو جو اسے باقاعدہ ڈرائنگ پیپر پر رنگین پنسلوں سے بنا کر بھیجا جائے۔

□ میں محمد صادق انصاری جب اس رسالے کو پڑھتا ہوں تو اسی میں کھو جاتا ہوں۔ میں نے ایک کہانی لکھی ہے اور اسے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ صادق میاں، کہانی کے ساتھ جو ڈرائنگز آپ نے بنا کر بھیجی ہیں انھیں کسی اچھے کاغذ پر الگ سے اور ذرا اچھی طرح سے بنا کر بھیجیں۔ آپ کی کہانی میں تصحیح کر کے ہم اسے 'ننھے قلم کار' میں آپ کی ڈرائنگ کے ساتھ ہی شامل کرلیں گے۔ کہیے کیا خیال ہے؟ یہاں یہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ محمد صادق بھی بردوان کے اسی اسکول کی آٹھویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔

□ 'میرا نام عبداللہ ہے۔ عمر 14 سال، درجہ حفظ کا طالب علم ہوں۔

'بچوں کی دنیا' سے بہت محبت ہے۔ میرا تعلق اس سے یوں ہوا کہ میں ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر آرہا تھا تو راستے میں اچانک میری نظر ایک کتاب کی دکان پر پڑی۔ وہاں دیکھا کہ ایک نیا رسالہ بک رہا ہے۔ میں نے رک کر دیکھا تو بہت اچھا لگا۔ رنگین صفحات، اچھی اچھی کہانیاں، نظمیں، لطیفے، اور قسط وار ناول (اس دن میں دنیا کا سفر) اور قیمت صرف دس روپے۔ میں نے فوراً رسالہ خرید لیا۔ تبھی سے میری خواہش تھی کہ رسالے کے لیے کچھ ارسال کروں۔ اللہ نے آج یہ توفیق دی چنانچہ اس خط کے ساتھ اپنی تصویر اور ایک معلوماتی مضمون 'سب سے پہلے' بھیج رہا ہوں۔

عبداللہ ابن حسن پرویز، مدن پورہ مئوناتھ بھنجن ڈاک خانہ مرزا ہادی پورہ ضلع مئو، اتر پردیش

عبداللہ صاحب نے جو معلومات بھیجی ہے اس کے کچھ حصے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے (اسلامی عقیدے کے مطابق):

• سب سے پہلے قلم سے حضرت ادریسؑ نے لکھا • سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا بھی حضرت ادریسؑ نے پہنا • اس کے علاوہ سب سے پہلے ہتھیار بنا کر لڑنے والے اور اولادِ آدم میں پہلے نبی بھی حضرت ادریسؑ تھے۔ • سب سے پہلے اللہ اکبر کہنے، جمعہ کا غسل فرمانے اور منبر پر خطبہ دینے والے حضرت ابراہیمؑ تھے • سب سے پہلے سمندر سے موتی حضرت سلیمانؑ نے نکلوائے • سب سے پہلے کبوتر بھی حضرت سلیمان نے پالا • شراب پینے پر سب سے پہلے سزا کا حکم حضرت عمرؓ نے دیا • سب سے پہلے مسجدوں میں فرش بچھانے، کوڑے سزا دینے والے اور دفتر قائم کرانے والے بھی حضرت عمرؓ تھے • حضرت محمدؐ کے صحابیوں میں سب سے پہلے مفتی اور امت محمدیہ میں سب سے پہلے حج کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے • سب سے پہلے پولیس کا شعبہ حضرت عثمانؓ نے قائم کیا • سب سے پہلے جیل خانہ حضرت علیؓ نے بنوایا۔ ♦♦

□ معراج احمد معراج

# پھول جیسے تمام بچّے...

نہ خاص بچے نہ عام بچے
ہیں پھول جیسے تمام بچے

یہ چاہے کچھ بھی زباں سے بولیں
لگیں گے شیریں کلام بچے

چراغ دل میں جلے یکا یک
جو ہنس کے کر دیں سلام بچے

خدا انہیں لمبی عمر بخشے
کریں گے اک روز نام بچے

یہ جنگ کے حامیوں سے کہہ دو
ہیں شانتی کے پیام بچے

ذرا انہیں بھی تو شرم آئے
ہیں جن کے گھر میں غلام بچے

دعائیں معراج دے رہا ہے
کہ پائیں اعلیٰ مقام بچے

**Meraj Ahmed Meraj**Nature Gram, Kalti-713343 West Bengal

# انٹرنیٹ سے

ادارہ

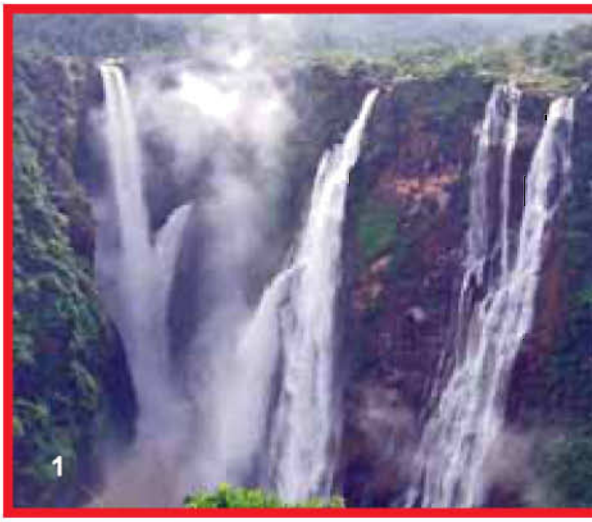


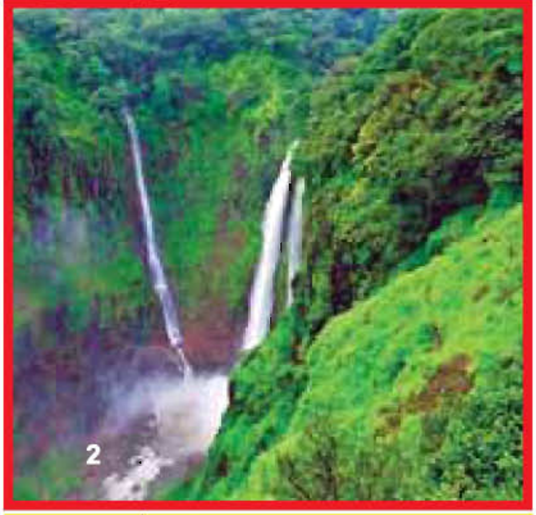


**ہمارے آبشار**: 1 کرناٹک کے شموگا ضلع کا یہ شاندار آبشار 809 فٹ اونچا جھرنا ہے جسے جوگ فالز کہتے ہیں ۔ 2 مہاراشٹر کے ستارا ضلع کے نزدیک کونکن کے علاقے میں یہ 1150 فٹ اونچے آبشاروں کا مجموعہ قدرت کا حسین شاہکار ہے۔ 3 میگھالیہ کا سیون سسٹرز آبشار جسے دور دور سے لوگ دیکھنے آتے ہیں۔ 4 کیرل کا اتھیراپلّی واٹر فال جو زیادہ اونچا تو نہیں لیکن پانی کی تیزی اسے قابلِ دید بنا دیتی ہے۔ 5 گوآ کا دودھ ساگر جس کا اچھلتا کودتا اور نیچے اترتا پانی دودھ جیسی رنگت اختیار کرلیتا ہے اس لیے نام دودھ ساگر پڑ گیا!

# قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

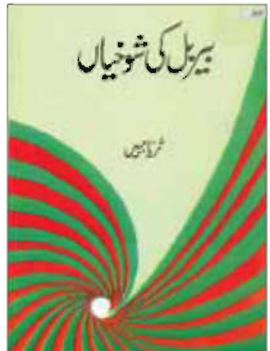

صفحات: 64، قیمت: 12 روپے

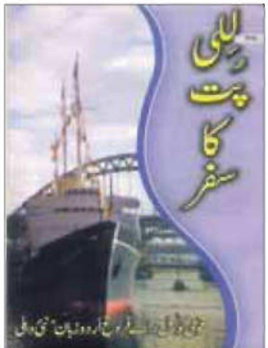

صفحات: 48، قیمت: 12 روپے

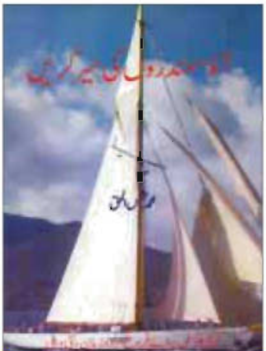
صفحات: 183، قیمت: 20 روپے

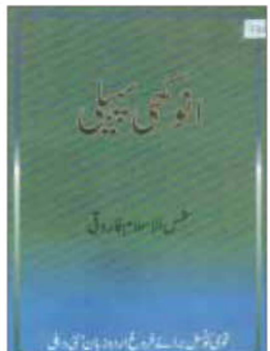
صفحات: 52، قیمت: 14 روپے

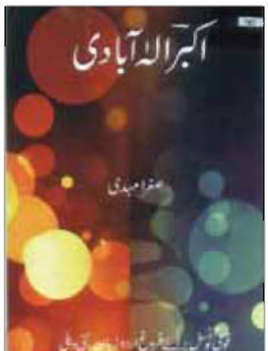

صفحات: 58، قیمت: 12 روپے

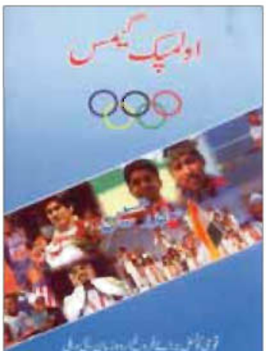

صفحات: 176، قیمت: 25 روپے

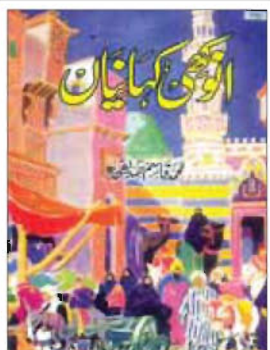

صفحات: 31، قیمت: 10 روپے

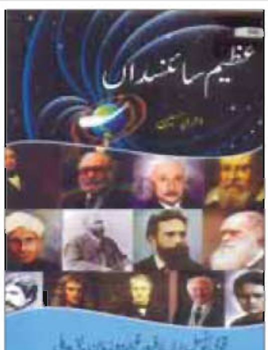

صفحات: 83، قیمت: 15 روپے

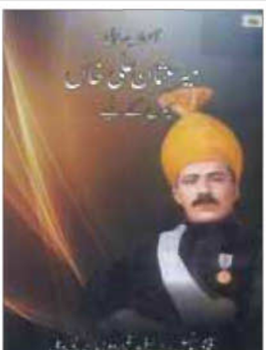
صفحات: 56، قیمت: 12 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

**BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2015, Vol. 03, Issue: 5**
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL (S) - 01/3439-2013-15
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/4/15
Date of Dispatch : 12 and 13 of Advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

## بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات:87، قیمت:21 روپے

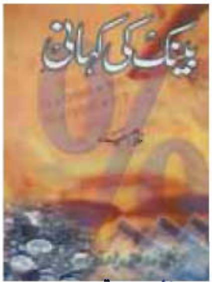


صفحات:136، قیمت:20 روپے

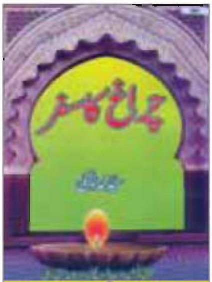


صفحات:35، قیمت:12 روپے

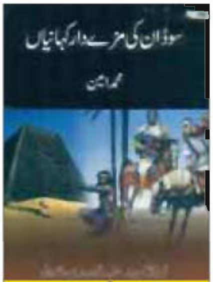


صفحات:61، قیمت:18 روپے

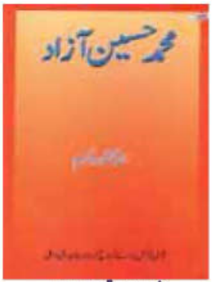


صفحات:79، قیمت:14 روپے

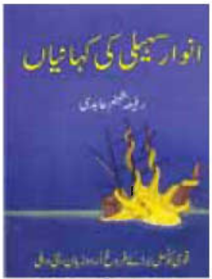


صفحات:183، قیمت:23 روپے

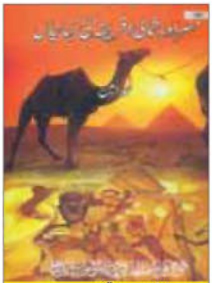

صفحات:71، قیمت:10 روپے

صفحات:78، قیمت:14 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025, and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor : Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Tel : 49539000